8

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

21 تا 27 فروری 2008ء/13 تا 19 صفر المظفر 1429ھ

www.tanzeem.org

دوسری قوموں کی نقالی

اگر کوئی شخص اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت سے بے پرواہو کر کہتا ہے کہ فلاں بات اس لئے اختیار کی جائے کہ وہ انگریزوں میں رائج ہے اور فلاں بات اس لئے قبول کی جائے کہ فلاں قوم اس کی وجہ سے ترقی کر رہی ہے، اور فلاں بات اس لئے مانی جائے کہ فلاں بڑا آدمی ایسا کہتا ہے، تو ایسے شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ یہ باتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو ہر اس بات کو اُٹھا کر دیوار پر دے مارو جو اللہ اور رسول ﷺ کی بات کے خلاف ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اسلام کا دعویٰ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ زبان سے کہنا کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ کو مانتے ہیں، مگر اپنی زندگی کے معاملات میں ہر وقت دوسروں کی بات کے مقابلہ میں اللہ اور رسول ﷺ کی بات کو رد کرتے رہنا، نہ ایمان ہے نہ اسلام، بلکہ اس کا نام منافقت ہے۔

ایمان کی کسوٹی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس شمارے میں

انتخابات یا ریفرنڈم؟

موجودہ بحران اور علماء کا موقف ii

ہائے اِس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

آرچ بشپ کا نعرۂ حق

سلطان عبدالحمید کی خفیہ ڈائری

احکامات الٰہی سے روگردانی کی سزا

پاکستان کا مستقبل

سُرخ پھول اور سُرخ لہو

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ الانعام
(آیات:95-96)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۹۶﴾ ﴾

’’بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے۔ (یعنی پھاڑ کر اُن سے درخت وغیرہ اُگاتا ہے) وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے۔ پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔ وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے، اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے۔ یہ اللہ کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں، جو غالب (اور) علم والا ہے۔‘‘

ہم دیکھتے ہیں کہ دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ چند دن بعد وہ پھٹتا ہے اور اس میں سے دو کونپلیں نکلتی ہیں۔ یہ کون کر رہا ہے؟ اگرچہ بظاہر یہ خود بخود ہو رہا ہے، مگر درحقیقت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فزیکل اور کیمیکل تبدیلیوں کے قوانین کے تحت ہو رہا ہے۔ ایسا کرنے والا یقیناً اللہ تعالیٰ ہے، جو فاعل حقیقی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے وصایا میں بڑا پیارا جملہ لکھا ہے: ’’اے میرے بچے! اس حقیقت کو ہر وقت متحضر رکھنا کہ ’’لا فاعل فی الحقیقۃ الاّ اللّٰہ و لا مؤثر الاّ اللّٰہ‘‘ درحقیقت فاعل تو اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ تاثیر بھی ہے تو اِسی کے اذن سے۔ تم کوئی کام کرنے کا ارادہ تو کر سکتے ہو لیکن فعل کا انجام پذیر ہونا تو اللہ کی مشیت سے ہے، تمہارے اختیار میں نہیں۔ یہ تو اللہ کے حکم سے ہوگا۔

اللہ ہی ہے جو زندہ کو مردہ میں سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ پھر تم کدھر کو الٹے جا رہے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ اس اللہ کو پہچانو۔ یہاں ایک اور فلق کا ذکر ہے، وہ یہ کہ اللہ رات کی سیاہی کا پردہ چاک کر کے سپیدۂ سحر کو نمودار کرتا ہے۔ یہ طلوع و غروب آفتاب اور دن رات کا ظہور بھی درحقیقت زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اور گردش کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھا ہے۔ اُس کے اذن اور تدبیر کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا اور سورج چاند کو ایک نظام کے تحت چلا دیا۔ اب اِسی نظام کے تحت دن رات وجود میں آ رہے ہیں۔ مہینوں اور سالوں کی گنتی ہو رہی ہے۔ یہ اندازہ اُس ہستی کا مقرر کیا ہوا ہے جو العزیز اور العلیم ہے۔ زبردست ہے اور سب کچھ جاننے والی ہے۔

فرمانِ نبویؐ

اسلام میں حیا کی اہمیت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ)) (رواہ المؤطا للامام مالک)

حضرت زید بن طلحہ ؓ کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بے شک ہر دین کے لیے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔‘‘

تشریح: حیا ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو برے کام کے ترک کرنے پر ابھارتا ہے اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کرنے سے روکتا ہے۔ جنید بغدادیؒ حیا کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ کرے اور اس میں یہ احساس پیدا ہو کہ اس نے منعم حقیقی کا شکر بجا لانے میں کس قدر کوتاہی کی ہے تو اس سے آدمی کے دل میں ایک کیفیت (ندامت و شرمساری کی) پیدا ہوتی ہے جسے حیا کہتے ہیں۔‘‘

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 21 تا 27 فروری 2008ء — 13 تا 19 صفر المظفر 1429ھ — شمارہ 8

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ------------ (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
محبوب الحق عاجز

انتخابات یا ریفرنڈم؟

ملک میں قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا ایک مشکل مرحلہ بخیر وخوبی انجام کو پہنچ چکا ہے۔ نتائج کا حتمی اعلان ہونا ابھی باقی ہے، تاہم غیر حتمی اور غیر سرکاری نتائج کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے تمام سیاسی جماعتوں پر واضح برتری حاصل کر لی ہے، اُس نے قومی اسمبلی کی 89 نشستیں حاصل کیں۔ مسلم لیگ نواز 68 نشستوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر ہے۔ دیگر بڑی جماعتوں میں سے مسلم لیگ ق کو 41، متحدہ قومی موومنٹ کو 19 اور اے این پی کو 10 سیٹیں ملی ہیں۔ آزاد امیدوار جو اسمبلی تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں، اُن کی مجموعی تعداد 27 ہے۔ دینی جماعتوں کے سیاسی اتحاد متحدہ مجلس عمل کو جو شدید داخلی انتشار کے سبب عملاً اتحاد کی معنویت سے محروم ہے، شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے، وہ 5 نشستیں حاصل کر سکا۔

انتخابات کے بعد اب حکومت سازی کا مرحلہ ہے۔ چونکہ کوئی بھی سیاسی جماعت سادہ اکثریت حاصل نہیں کر سکی، اِس لئے تنہا حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں۔ چنانچہ جو بھی نئی حکومت بنے گی، وہ مخلوط ہوگی۔ اِس کی صورت کیا بنتی ہے، یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہے، تاہم یہ واضح ہے کہ آنے والے دنوں میں پرانے سیاسی اتحادوں کی ٹوٹ پھوٹ اور نئے سیاسی اتحادوں کی تشکیل کا عمل شروع ہو جائے گا۔ غالب امکان جو نظر آ رہا ہے، وہ یہ کہ مرکز میں پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن اور اے این پی کی حکومت وجود میں آ جائے۔ اِس سلسلے میں بڑی جماعتوں نے شراکت اقتدار کے فارمولے پر غور خوض شروع کر دیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو موجودہ انتخابی نتائج سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے کہ یہ انتخابات پرویز مشرف اور اُس کی وفادار سیاسی پارٹی کے خلاف ریفرنڈم ہیں۔ صدر مشرف کو چاہیے کہ اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عہدہ صدارت سے استعفا دے دیں۔ سرکاری مسلم لیگ کو جو پوزیشن حاصل ہوئی ہے، اُس سے واضح ہے کہ عوام نے پرویز مشرف کی غلط پالیسیوں اور اقدامات کو مسترد کر دیا ہے۔ مہنگائی، آٹے، گیس اور بجلی کے بحران، آئین کی بے حرمتی، عدلیہ کی پامالی، چیف جسٹس کے ساتھ بدسلوکی اور سب سے بڑھ کر امریکہ کی خوشنودی کے لئے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف صلیبی اور صیہونی جنگ میں دینی، قومی اور ملی تقاضوں کے یکسر منافی پالیسی، یہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر عوام نے اسٹیبلشمنٹ کی سیاست کو مسترد کر کے حقیقی سیاسی قوتوں کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ خون بولتا ہے، خاموش رہنا اس کی سرشت میں نہیں ہے۔ خون چاہے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے در و دیوار کو رنگین کر دے، چاہے باجوڑ کے مدرسہ کے فرش کو سرخی دے دے، خواہ کوہساروں اور غاروں میں بہے، اپنے حقیر سیاسی مفادات کے لئے بہایا جائے، یا بیرونی آقاؤں کی رضاجوئی کے لئے، دنیا کے سامنے بہایا جائے، یا پس پردہ، وہ جب بھی بہتا ہے، تو جم جاتا ہے اور جم کر اپنی طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ ق لیگ کے ابن الوقتوں اور پرویز مشرف کے ساتھ جو ہوا، وہ اس خون کا انتقام ہے، جو عوام نے ووٹ کی طاقت سے لیا۔ عوامی بیزاری اور نفرت کی شدت کا یہ عالم ہے لال حویلی کے ''صداقت شعار کمانڈر'' سمیت سابق حکومت کے 22 وزراء کو مسترد کر دیا گیا۔ ؎ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

نئی بننے والی حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ عوامی رائے کا احترام کرے۔ اُن کی خواہشات کے عین مطابق اُن داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کو تبدیل کرے، جنہوں نے آج ق لیگ اور اُس کے سرپرست کو بھی شکست سے دوچار کر دیا ہے۔ داخلی سطح پر 1973ء کے آئین اور معزول ججز کی بحالی پہلا قوم ہے، جس کی راہ میں کوئی مصلحت آڑے نہیں آنی چاہیے۔ وہ اپنے عوام کے خلاف طاقت کے بے دریغ استعمال کی بجائے (باقی صفحہ 18 پر)

ذوق و شوق

(چوتھا بند)

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجُود الکتاب! | گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ | ذرّۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب!

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود! | فقرِ جُنیدؒ و بایزیدؒ، تیرا جمال بے نقاب!

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام | میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے | عقلِ، غیاب و جستجو! عشق حضور و اضطراب!

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے! | طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے!

1۔ اِس بند کے اشعار باری تعالیٰ سے بھی منسوب کیے جاسکتے ہیں اور پیغمبر آخرالزماں ﷺ سے بھی۔ تاہم پورے بند کا احتیاط اور گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو ہمارے خیال میں مخاطب ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اقبال اللہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تُو ہی لوح و قلم کا مالک ہے اور تیرے وجود کا مظہر قرآن ہے۔ یہاں لوح اور قلم کی تراکیب کے حوالے سے ربّ ذوالجلال کو انسانی تقدیر کا خالق قرار دیا گیا ہے، اور اِس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ باری تعالیٰ! یہ جو رنگ برنگا شفاف آسمان ہے، یہ تو تیرے دائرۂ کار میں ایک بلبلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ تُو قادرِ مطلق ہے اور ہر شے تیرے وجود کے بالمقابل ذرّے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔

2۔ اے مولائے کُل! ہر چند کہ تُو نے اب تک انسانی نظروں سے اپنے وجود کو پوشیدہ رکھا ہے، لیکن تیرے جلوے کی علامتیں طلوعِ آفتاب کی شکل میں سامنے آئی، جس کی تابندگی نے ریت کے معمولی ذروں کو بھی منور کر دیا۔ اِسی نوع کی علامتیں پوری کائنات میں روشنی اور ارتقاء کا سبب ہیں۔

3۔ اے باری تعالیٰ! سلجوقی خاندان کے جلیل القدر حکمران سنجر اور خاندان عثمانیہ کے مشہور تاجدار سلیم میں جرأت، حوصلے اور پختہ عزم و ارادے کی جو خصوصیات موجود تھیں، اُن کو اگر تیری شانِ جلال کا مظہر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اسی طرح تیری شانِ جمال حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے اولیاء میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(سلطان سنجر، حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید جنید کے حالات سابقہ اشعار کی تشریح میں اپنے مقام پر بیان ہو چکے ہیں۔ سلطان سلیم اوّل سلطنتِ عثمانیہ کے نامور ترین سلاطین میں سے گزرا ہے۔ 1512ء تا 1520ء (بابر کے ہندوستان میں آنے سے قبل) صرف آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ لیکن اِس قلیل مدت میں اُس نے سلطنت کی وسعت دو چند کر دی، یعنی دیارِ بکر، آرمینیا، کردستان، شام، مصر اور حجاز کو سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ حجاز کی فتح سے اُسے ''خادم الحرمین الشریفین'' کا لقب حاصل ہو گیا، اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ نے جو قاہرہ میں مملوک سلاطین کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہا تھا، خلافت کے تمام حقوق اُسے تفویض کر دیے۔ چنانچہ سلطان سلیم پہلا سلطان ہے جو خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین کے لقب سے ملقب ہوا۔

4۔ اگر تیرا عشق میرے سجدہ و نماز کا مقصود و مطلوب نہ ہو، تو دورانِ نماز میرا قیام بھی بے معنی ہو جاتا ہے، اور سجدے میں بھی کوئی کیفیت باقی نہیں رہتی۔

5۔ اے باری تعالیٰ! اگر تیرا کرم ہو تو عقل و دانش اور جذبۂ عشق دونوں ہی اپنی مُراد پا لیتے ہیں، عقل جو غیب کو معلوم کرنے کی تلاش و جستجو میں لگی رہتی ہے اور جذبۂ عشق جو حضوری کا خواہش مند رہتا ہے۔ یہی خواہش انہیں مضطرب اور بے قرار رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جن میں عقل و دانش نمایاں تھی، اور وہ لوگ بھی جذبۂ عشق سے سرشار تھے، بالآخر دونوں ہی تیری عنایات سے مستفید ہونے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

6 اے باری تعالیٰ! اب صورتِ حال یہ ہے کہ سورج کی گردش جاری رہنے کے بعد بھی ساری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ لہٰذا اب یہ خواہش ناگزیر ہو گئی ہے تو کہ پردے سے باہر آ کر اپنا جلوہ دکھا، تاکہ ساری دنیا اس سے منور اور تر و تازہ ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ تیری عنایات کے باوجود آج بھی لوگوں کے دل تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بُرائیاں ہر طرف فروغ پا رہی ہیں اور نیکی کی طاقتیں کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ ایسے حالات میں ضروری ہے کہ تُو اپنا جلوہ دکھا کر انسان کے سینوں کو اُس کی روشنی سے منور کر دے۔

داخلی بحران اور علماء کرام کا موقف II

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 17 فروری 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ النحل آیت 112 اور سورۃ الروم آیات 42,41 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! ملک کو درپیش بحران کے اسباب کے ضمن میں پاکستان بھر کے معزز علماء کرام نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا، گزشتہ سے پیوستہ جمعہ میں اُن پر گفتگو ہوئی تھی۔ آج اِسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے علماء کی جانب سے بحران کے حل کے ضمن میں پیش کردہ دس نکات میں سے زیادہ اہم نکات پر اختصار کے ساتھ بات ہوگی، جو مسئلہ کے فوری حل کے حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ بعدازاں تلاوت کردہ آیات قرآنی کی روشنی میں اصل اور دیرپا علاج کا تذکرہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

علماء کرام کے نکات پر تبصرہ سے قبل یہ بات واضح کردی جائے کہ جن علماء نے اپنا موقف میڈیا کے ذریعے حکومت اور قوم کے سامنے پیش کیا ہے، وہ غیر معروف لوگ نہیں، بلکہ اِس ملک کے جید علماء میں سے ہیں، جن کی علمی حیثیت مسلّمہ ہے اور جن کی دینی خدمات سے بھی لوگ آگاہ ہیں۔ پھر یہ کہ اِن علماء کا شمار اُس طبقۂ علماء میں بھی نہیں ہوتا، جو سیاسی جماعتوں اور انتخابی سیاست کی کشاکش کا حصہ ہیں، بلکہ اِن کا اوڑھنا بچھونا تعلیم و تعلم ہے۔ یہ انبیاء کی وراثت کے امین ہیں۔ نبیوں کی وراثت علم نبوت اور علم ہدایت ہے، جسے اللہ تعالیٰ وحی کی شکل میں بذریعہ انبیاء انسانوں تک بھیجتا رہا ہے۔ یہ لوگ عرصۂ دراز سے اِس وراثت کو نئی نسل تک منتقل کرنے کا عظیم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، اور اِس مقصد کے لئے اِن لوگوں نے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ ایسے ہی علماءِ حق کی کاوشوں سے آج دین ہم تک پہنچا ہے۔

معزز علماء نے ملک کو بحران سے نکالنے کے ضمن میں جو سب سے بنیادی بات کہی ہے، وہ یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ہم نے جس طرح آنکھیں بند کرکے امریکہ کی حکمت عملی اختیار کی ہے، اُس نے ہمیں دیا کچھ نہیں، بلکہ ہمارا سب کچھ چھین لیا ہے۔ یہی حکمت عملی ہمارے داخلی خلفشار کا بھی باعث ہے۔ لہٰذا اِس پالیسی پر وسیع تر مشاورت کے ذریعے بلاتاخیر تبدیلی لائی جائے۔ علماء کے اِس تجزیے میں کسی بھی شبے کی گنجائش نہیں۔ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ نائن الیون کے بعد اختیار کی گئی پالیسی کے نتیجے میں آج ملک عملاً آگ کا ڈھیر بن گیا ہے۔ ہر طرف بدامنی، انتشار، بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ اپنے عوام کے خلاف طاقت کے استعمال کی حکمت عملی نے ملک کو خانہ جنگی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ جن کی خوشنودی کے لئے حکمرانوں نے یہ سب کچھ کیا ہے، وہ

> **شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل کے حوالے سے علماء کی یہ بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ فوجی کارروائیاں فوری طور پر بند کرکے وہاں شورش کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے**

پھر بھی خوش نہیں۔ Do more کی شیطانی تکرار آج بھی ایک تسلسل سے جاری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو صدر مشرف سے عوامی نفرت کی ایک بڑی وجہ بھی پالیسی ہے۔

ہم لڑیں امریکیوں کی جنگ کیوں
اور کریں اپنی زمیں خوں رنگ کیوں
اے "دستم گر" تو نے سوچا ہے کبھی
تجھ سے ہے ساری خدائی تنگ کیوں

شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل کے حوالے سے علماء کی یہ بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ فوجی کارروائیاں فوری طور پر بند کرکے وہاں شورش کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ بے گناہ لوگوں کے خون سے ہمارا ہی نقصان ہو رہا ہے۔ قبائل کے لوگ اِسی ملک کے باشندے اور ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ وہ ملک دشمن نہیں کہ اُن کے خلاف فوج کشی کی جائے۔ الحمدللہ، گزشتہ دو ہفتوں کے دوران حکومت کی جانب سے اِس جانب مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔ چنانچہ شورش زدہ علاقوں میں سیز فائر ہو گیا ہے۔ تاہم محض یہی امر کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ نائن الیون کے بعد اپنائی گئی خارجہ پالیسی کو تبدیل کیا جائے، نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امریکہ کے ساتھ تعاون ختم کیا جائے، جو اسلام اور انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے ہی، اِس نے پورے ملک کو بھی داؤ پر لگا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا، تو پھر یہ ویسی ہی بات ہوگی، کسی مریض کے جسم پر فسادِ خون کے سبب پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں، ڈاکٹر کبھی ایک پھوڑے کا علاج کرے اور کبھی دوسرے کا، مگر خرابی خون کی جانب کوئی توجہ نہ دے۔

یہ بات بھی صحیح ہے کہ شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل کے معتدل علماء اور خوانین خونریزی کے حق میں نہیں، مگر اُن کی بات مشتعل عناصر میں اِس لئے مؤثر نہیں ہو رہی کہ حکومت کی طرف سے مسلسل خلاف اسلام پالیسیاں جاری رہی ہیں، جن کی موجودگی میں اُن کی طرف سے تشدد رکوانے کے لئے اُن کے ہاتھ کوئی ایسی بات نہیں جو وہ مشتعل عناصر کے سامنے پیش کر کے سرخرو ہو سکیں۔ اگر حکومت اسلام کے خلاف اقدامات اور اپنی غلط پالیسیوں پر نظر ثانی کر کے عوام میں اپنا اعتماد بحال کر سکے، تو معتدل عناصر جذباتی عناصر کو شورش سے باز رکھ سکتے ہیں۔ یا پھر کم از کم اُن کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ برأت کرنا ممکن ہوگا۔

یہ انداز فکر بھی غیر حقیقی اور نامنصفانہ ہے کہ دہشت گردی کے ہر واقعے کا الزام طالبان پر لگا دیا جائے۔

اس روش کو بھی اب تبدیل کیا جانا چاہیے۔ وہ لوگ جو صحیح معنوں میں طالبان ہیں، وہ دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث نہیں ہو سکتے۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے عناصر ہوں، جنہیں غیر ملکی خفیہ ایجنسیاں استعمال کرتی ہوں۔ جیسا کہ ایک عرصہ تک ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی کی آڑ میں شیعہ سنی فسادات کی آگ بھڑکتی رہی ہے۔ اِن فسادات کو عام آدمی شیعہ سنی اختلاف کا شاخسانہ قرار دیتا تھا، مگر حقیقت میں یہ ''را'' کی گیم تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے ہی کچھ ناداں لوگ اُس کے آلۂ کار بن جاتے تھے۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ طالبان ہرگز دہشت گرد نہیں، وہ افہام و تفہیم سے مسائل و معاملات کے حل کی اہمیت کو بخوبی جانتے ہیں۔ اُن کو مطعون کرنے کی بجائے اُن سے مصالحت اور مفاہمت کی راہ اپنائی جائے۔ گولی کی بجائے دلیل کی زبان میں اُن سے بات کی جائے۔

علماء نے جو نکات پیش کیے ہیں، وہ بحران کے فوری حل کے سلسلے میں ہیں۔ ہم بحیثیت قوم جس ذلت و رسوائی کا شکار ہیں، اُس کے اصل سبب سے آگاہی ضروری ہے۔ جبھی ہم اُسے دور کر کے ملک کو دیرپا خوشحالی، امن و امان، عزت و وقار اور قوت و استحکام دے سکتے ہیں۔ ابتدا میں تلاوت کی گئی آیات کریمہ اسی سبب کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یعنی دین سے روگردانی، اللہ سے بے وفائی اور اُس کی ناشکری۔

آیئے، اِن آیات پر غور و خوض کرتے ہیں۔

سورۃ النحل میں ارشاد ہوا:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾

''اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ مگر اُن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ نے اُن کے اعمال کے سبب اُن کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔''

یہاں جس بستی کا تذکرہ ہے، بعض علماء کے نزدیک اِس سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ جہاں ہر قسم کا امن و چین تھا، اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے اُس کی طرف پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ مگر اہل مکہ نے اِن نعمتوں کی قدر نہ پہچانی اور شرک، کفرانِ نعمت، بے حیائی اور اوہام پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں بھیجی، بدبختوں نے اُس کا بھی انکار و تکذیب کی۔ چنانچہ اللہ نے امن و امان کی بجائے اُن پر مجاہدین کا خوف اور کشادہ روزی کی جگہ سات سال کا قحط مسلط کر دیا۔ جس میں کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا کہ اِس میں سابقہ امتوں کے حالات بھی ہیں اور آنے والی قوموں کے احوال بھی۔

اگر ہم غور کریں تو یہ آیات آج ہم مسلمانانِ پاکستان کے حالات پر بھی پورے طور پر منطبق ہوتی ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ہمیں ایک آزاد اور خود مختار خطۂ زمین عطا فرمایا۔ ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دلائی۔ ایک آزاد ملک میں ہم امن و چین سے رہنے لگے۔ یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان تھا۔ یہ ایک عظیم نعمت تھی۔ چاہیے تھا کہ اِس پر اللہ کا شکر بجالاتے مگر ہم نے اُس کا شکر ادا نہ کیا، بلکہ کفرانِ نعمت کی روش اختیار کی۔ شکر کا تو یہ تقاضا تھا کہ اپنی زبان سے بھی مالک حقیقی کا شکر کرتے، اپنے اعمال میں بھی اُس کی اطاعت کرتے، اُس کے آگے گردن جھکا دیتے۔ اُس کے بتائے ہوئے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا خیال رکھتے۔ ہم ہر نماز میں جو عہد بندگی کرتے ہیں، اُس کو فی الواقع نبھاتے...... پھر یہ کہ اپنی حیات اجتماعی میں بھی شکر گزاری کا رنگ بھرتے یعنی اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک کو اسلام کے نظام عدل اجتماعی یعنی خلافت کا گہوارہ بناتے۔ اِسے خلافت کے ایک ایسے ماڈل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے، جو پوری دنیا کے لئے ایک رہنما مثال اور قابل تقلید نمونہ ہوتا۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل میں جھانکیے، پوری دیانتداری کے ساتھ وہ آپ کو جواب دے گا کہ تم نے اللہ کی شکر گزاری کا کوئی تقاضا پورا نہ کیا۔ تم نے کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کی۔ اللہ کی وفاداری کے راستے پر دو قدم چلنے کی بھی تمہیں توفیق نہیں ہوئی۔ اِس مجرمانہ روش اور باغیانہ طرز عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر بھوک کا عذاب مسلط کر دیا۔ اِسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ آج دو وقت کی روٹی کا حصول حد درجہ دشوار ہو گیا ہے۔ اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ اِس ملک میں موبائل فون، ٹیلی وژن، کمپیوٹر جیسی چیزیں تو سستی ہیں، کاریں بھی قسطوں پر عوام کو فراہم کی جا رہی ہیں۔ (اور قوم کو سود میں جکڑا جا رہا ہے) مگر وہ چیزیں، جو ہر شخص کی بنیادی ضرورت ہیں یعنی اشیائے خورد و نوش اور اشیائے صرف، وہ اِس قدر مہنگی ہیں کہ دن بھر کی شدید مشقت کے باوجود بھی، عام آدمی کے لئے جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ بھوک و افلاس تو ناشکری اور نافرمانی کا ایک نتیجہ ہے، دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں خوف کا لباس پہنا دیا ہے۔ ہمارا ملک آج جس خوفناک انتشار، بدامنی کا شکار ہے، اِس کی مثال ہماری گزشتہ ساٹھ سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ کسی بھی شخص کو اپنے جان و مال کا تحفظ نہیں۔ عام آدمی تو کیا، سیاستدان اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے وابستہ لوگ بھی محفوظ نہیں۔ لوگ گھروں سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ انہیں اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ہم بم دھماکے کا نشانہ نہ بن جائیں۔ کوئی خودکش حملہ آور ہماری جان نہ لے لے۔ ہمیں جان لینا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے جو ہمارے اعمال اور کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

یہی مضمون سورۃ الروم میں بھی آیا ہے، فرمایا:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ اُن کو اُن کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آ جائیں۔''

دنیا میں جو فتنہ و فساد ہوتا ہے، وہ لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں بُرے اعمال کا کچھ مزہ چکھائے۔ آج بحر و بر میں جو فساد برپا ہے، وہ آسمانی ہدایت سے کھلم کھلا انحراف اور اللہ سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔ کرۂ ارضی کا جائزہ لیجئے۔ اِس وقت بحیثیت مجموعی دنیا پر ابلیسیت کا غلبہ ہے۔ دنیا سیکولرازم (لادینیت) کو اختیار کر کے عملاً اللہ کی بغاوت پر اُتر آئی ہے۔ لادینیت اور دجالی تہذیب کے گرفتار برملا کہہ رہے ہیں کہ ہم آسمانی ہدایت کو نہیں مانتے، ہم اپنا نظام خود بنائیں گے، جو اللہ کی نہیں انسانی حاکمیت کے تصور پر مبنی ہو گا، جس کی معیشت کی بنیاد سود پر رکھی جائے گی، جس کی معاشرت بے قید آزادی پر مبنی ہو گی، جہاں آزادانہ جنسی اختلاط کی کھلی اجازت ہو گی، جہاں ہم جنس پرستی کو فطرت کی پکار سمجھا جائے گا۔ مذہب جسے فحاشی و عریانی قرار دیتا ہے، شیطان کا ہتھیار کہتا ہے، وہ ہمارے عہد کا فیشن اور تہذیب و تمدن کی نشانی ہو گی۔ ہم اپنی آزاد مرضی پر کوئی مذہبی قدغن گوارا نہیں کریں گے۔ کیا یہ کھلی بغاوت نہیں؟ کیا یہ اللہ کو چیلنج کرنے کی جسارت نہیں ہے؟ اِسی بغاوت کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا فساد کی زد میں ہے۔ اِس فساد اور بدامنی سے ہم ہی نہیں، امریکہ جیسا ''مہذب'' اور ''متمدن'' کہلانے والا ملک بھی محفوظ نہیں، وہاں بھی لوگ دہشت زدہ اور خوف کا شکار ہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴾

"کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ (تم سے) پہلے ہوئے ہیں اُن کا انجام کیسا ہوا ہے۔ ان میں زیادہ تر مشرک ہی تھے۔"

تم سے پہلے بھی بہت سی تہذیبیں گزری ہیں۔ سلطنت رومہ بھی ایک تہذیب تھی، فراعنہ بھی اپنی ایک تہذیب رکھتے تھے۔ لیکن ان تہذیبوں کا کیا حشر ہوا؟ دیکھو، قوم ثمود سے کیا سلوک ہوا؟ آل فرعون کا کیا انجام ہوا؟ اصحاب مدین پر کیا گزری؟ قوم سبا کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اقوام گزشتہ کو آسمانی ہدایت سے انکار اور رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا گیا۔ سرکش اقوام کو جو سزا ملی، وہ ان کے شرک کی بدولت ملی۔ شرک بتوں کی پرستش ہی کا نام نہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے حق حاکمیت تسلیم کیا جائے۔ اِس اعتبار سے موجودہ سیکولر جمہوریت دورِ حاضر کا سب سے بڑا شرک ہے۔ اس لئے کہ یہ حاکمیت جمہور (Peoples Sovereignty) کے تصور پر مبنی ہے۔ عوامی حاکمیت کے اصول کے تحت لوگوں کے نمائندے اکثریت کے بل بوتے پر کسی حرام معاملے کو بھی جائز قرار دے سکتے ہیں۔ مثلاً شراب حرام ہے، مگر مغربی جمہوریت کے اصول کے تحت پارلیمان کے 51 فیصد ممبران اس کی اجازت دے سکتے ہیں۔ جمہوریت کے برعکس خلافت (جسے اسلامی جمہوریت بھی کہہ دیا جاتا ہے) اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے اصول پر مبنی ہے۔ اسلام میں حاکمیت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

ان الحکم الا للہ۔ بقول اقبال:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

قرار داد مقاصد کے ذریعے عوامی حاکمیت کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کا اقرار کر کے ہم نے یہ بنیادی اصول تسلیم کر لیا کہ پاکستان میں مغربی طرز کی لادین جمہوریت نہیں لائی جائے گی، بلکہ خلافت (اسلامی جمہوریت) کا نظام قائم کریں گے، جو ہماری دینی ذمہ داری ہی نہیں بانیانِ پاکستان کا مطمع نظر بھی تھا۔ ملک میں جو بھی نئی حکومت بنے، اُسے چاہیے کہ نظریہ پاکستان کے عین مطابق اسلامی نظام کے لئے قدم اُٹھائے۔ یہی ہمارے جملہ مسائل کا حل ہے۔ [تلخیص: محبوب الحق عاجز]

✿✿✿✿✿

بارِ خلافت

مرسلہ: سردار اعوان

مشہور جلیل القدر تابعی امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ابھی اپنے پیش رو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی تدفین سے فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اپنے اردگرد غیر معمولی نقل و حرکت محسوس کی، پوچھا: "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا "اے امیر المؤمنین! یہ سرکاری سواریاں ہیں جو آپ کے لئے حاضر کی گئی ہیں۔" آپ نے ایک نگاہ ڈالی، پھر فرمایا "میرا ان سے کیا تعلق ہے؟ میرے پاس میرا خچر لاؤ، میرے لئے وہی کافی ہے۔" اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ لیکن جیسے ہی خچر پر سوار ہوئے ایک پولیس آفیسر آ گیا اور حفاظت کرنے کے انداز میں آگے آگے چلنے لگا۔ سپاہیوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی، چمکدار نیزے ان کے ہاتھوں میں تھے۔ آپ نے فرمایا "بھئی آپ لوگ کیوں آ گئے؟ مجھے نہ آپ کی ضرورت ہے نہ آپ کے ساتھیوں کی۔ میرے لئے کسی خاص انتظام کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں مسلمانوں ہی میں کا ایک عام آدمی ہوں۔"

یہ کہہ کر آپ چل دیئے یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز باجماعت ادا کرنے کا اعلان کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اعلان کیا گیا اور کثیر تعداد نمازی مسجد میں جمع ہو گئے۔ اب آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور صلوٰۃ علی النبی کے بعد فرمایا: "اے لوگو! خلافت کی یہ ذمہ داری بغیر میری مرضی، کسی خواہش وطلب اور بغیر مسلمانوں سے مشورہ کیے مجھ پر ڈالی گئی ہے اور یوں مجھے سخت آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میری بیعت کا جو قلادہ آپ لوگوں کی گردن میں ہے، اسے اتار دیں۔ آپ پوری طرح آزاد ہیں جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔" یہ سن کر لوگ بیک آواز ہو کر چلائے: "اے امیر المؤمنین! ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں۔ ہم ہر طرح آپ پر راضی اور مطمئن ہیں۔ خدا کے فضل اور اس کی توفیق سے خلافت کی ذمہ داری اٹھایئے اور نیا کام کیجئے۔"

جب آپ نے دیکھا کہ مخالفت میں ایک بھی آواز بلند نہیں ہوئی اور لوگ پوری طرح مطمئن ہو گئے ہیں تو دوبارہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور صلوٰۃ و سلام علی النبی ﷺ کے بعد لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی۔ پھر آپ نے اپنی آواز کو قدرے بلند کرتے ہوئے لوگوں سے کہا: "اے لوگو! جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اس کی اطاعت تم پر واجب ہو گئی اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس کی اطاعت تم میں سے کسی پر واجب نہیں۔ اے لوگو! تم میری اطاعت کرو، جب تک میں تمہارے سامنے اللہ کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ کی نافرمانی کروں سو تم پر میری اطاعت لازم نہ ہو گی۔" لوگوں نے ایسا ہی کرنے کا اقرار کیا اور آپ منبر سے اتر کر قصر خلافت میں تشریف لے گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ قصر خلافت میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ کافی تھک گئے تھے کہ ان کا فرزند ارجمند عبدالملک جو سترہ سال کا تھا، کمرے میں داخل ہوا اور بہت ادب سے بولا: "اے امیر المؤمنین! کیا آپ آرام کرنا چاہتے ہیں؟" "میں بہت تھک گیا ہوں، اس لئے ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ کچھ دیر آرام کروں۔" "کیا آپ لوگوں کے غصب کردہ اموال ان کے مالکوں کو لوٹائے بغیر آرام کرنا چاہتے ہیں؟" عبدالملک نے پوچھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ بولے: "بیٹا، کل رات تمہارے چچا سلیمان کی وفات کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آئی، نہ آرام کر سکا۔ ان شاء اللہ ظہر کی نماز کے بعد ایسے مقدمات کا فیصلہ کروں گا اور جو املاک لوگوں سے ناحق چھینی گئی ہیں وہ ان کے وارثوں کو لوٹا دوں گا۔" عبدالملک نے پوچھا: "امیر المؤمنین! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے؟" بیٹے کی یہ بات سنی تو عمر بن عبدالعزیزؒ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "بیٹا! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ میں ظہر تک زندہ رہوں گا۔ یہ بات ضروری ہے کہ اہم امور کا فیصلہ فوراً کیا جائے۔" یہ فرما کر بیٹے کو سینے سے لگا لیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا "خدا کا شکر ہے، اس نے میری پشت سے ایسا نوجوان پیدا کیا ہے جو احکام دین کی بجا آوری میں میری مدد کرتا ہے۔" یہ کہہ کر آپ اٹھے اور اعلان کیا کہ جس کسی کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہو، وہ اپنی شکایت پیش کرے۔

✿✿✿✿✿

ہائے، اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

محمد سمیع

معافی تلافی کا موسم جاری ہے۔ اس کا آغاز جدہ میں ہوا تھا، جہاں میاں محمد نواز شریف نے اپنے ادوار میں کی گئی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا اور عوام سے معافی مانگی تھی۔ اب تو یہ وقت ثابت کرے گا کہ موجودہ انتخابات کے نتائج کے بعد ممکنہ طور پر اقتدار میں آ کر وہ اپنی معافی پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔ گزشتہ دنوں یہ خبر آئی تھی کہ آئین سے ماضی میں انحراف کے حوالے سے طاقتور جرنیل قوم سے معافی مانگیں گے۔ لیکن اصغر خان نے اس پیش رفت میں کھنڈت ڈال دی۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان ہمارے ملک کے نادر روزگار سیاستدان ہیں۔ لوگوں کو ان کے خلوص و اخلاص پر کوئی شک نہیں، لیکن ان کی سیاست لوگوں کی سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔ جبھی تو آج تک ان کے سر پر اقتدار کا ہما نہ بیٹھ سکا۔ ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ اس حقیقت سے یقیناً آگاہ ہوں گے کہ عوام کی جانب سے ان کی معافی کا قبول کیا جانا مشکل ہے، کیونکہ یہ واحد سیاستدان ہیں جنہوں نے باضابطہ طور پر خط لکھ کر فوج کو اقتدار پر قبضے کی دعوت دی تھی۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انہوں نے اپنے جرم کی بناء پر اپنے ساتھیوں کو قوم سے معافی مانگنے سے کیوں باز رکھا۔

موجودہ انتخابات سے چند دن پہلے ”ق“ لیگ کے جنرل سیکریٹری مشاہد حسین سید کا بیان اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ ”ہم سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ہم سرکاری پارٹی ضرور ہیں لیکن سرکاری سچ نہیں بولتے۔ ہم ان غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ نواب اکبر بگٹی، لال مسجد، عدلیہ، ایمرجنسی اور دیگر ایشو پر ہم سے غلطیاں ہوئیں، یہ غلطیاں نہیں بلکہ نالائقیاں تھیں جن کا ہم ازالہ بھی کریں گے۔“ اسے کہتے ہیں۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ذرا غور فرمائیں، ہمارے ان بڑوں کی غلطیوں کے کیسے کیسے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ملک جمہوریت کی پٹڑی سے بار بار اترا۔ عوام میں احساس محرومی پیدا ہوا۔ ملک کا ایک بازو ہم سے یہ کہتے ہوئے جدا ہو گیا کہ

”ہم“ باز آئے محبت سے اٹھا لو پاندان اپنا

ہم نے اپنے دریا بھارت کے حوالے کئے۔ سیاچین سے ہاتھ اٹھا لیا۔ آج ملک اپنی تاریخ کے سنگین ترین دور سے گزر رہا ہے تو اس کی ایک وجہ فوجی آمریت ہے۔ اب آیئے ذرا دیکھیں کہ سابق سرکاری پارٹی ق لیگ کے دور حکومت میں کیا کیا ہوا۔ جن کی سرپرستی میں یہ سرکاری پارٹی وجود میں آئی، انہوں نے تادم آخر اپنے گرو کو باوردی رکھنے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو کسی صورت میں بھی ایک جمہوری پارٹی کو زیب نہیں دیتا۔ ان کے سرپرست کے ذاتی فیصلے کے نتیجے میں پاکستان نے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد میں شمولیت اختیار کی، وطن عزیز بحران در بحران میں مبتلا ہے۔ طالبان حکومت سے جسے ہماری حکومت نے تسلیم کر رکھا تھا لاتعلقی، امریکہ کو پاکستان کی سرزمین استعمال کرنے کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں افغان مرد و خواتین کا قتل، افغانستان میں شمالی اتحاد کو تسلیم کر کے بھارت کے لئے اس سرزمین کو اپنے خلاف دہشت گردی کے لئے استعمال کا موقع بہم پہنچانا، لال مسجد آپریشن کے ذریعہ معصوم طلبہ و طالبات کی شہادت، ملک کے وفادار قبائلی عوام کے خلاف فوجی آپریشن کے ذریعہ انہیں اپنی ہی فوج کے خلاف برسرپیکار رہنے کی دعوت دینا، ڈاکٹر عبدالقدیر کو مشاہد حسین ہی کے بیان کی روشنی میں قربانی کا بکرا بنا کر غیر معینہ مدت کے لئے حبس بے جا میں رکھنا، ملک میں امن و امان کو اس حد تک بگاڑنا کہ قبائلی علاقوں سے لے کر صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ تک خودکش حملوں سے قومی قائدین سمیت سب کی جان ہر وقت خطرے میں ہے۔ ماضی کے مجاہدین کو آج امریکی ایماء پر دہشت گرد قرار دے کر ہلاک کرنا اور ہزاروں افراد کو امریکہ کے حوالے کرنا، چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اور پاکستان بار کونسل کے صدر اعتزاز احسن کو غیر قانونی طور پر نظر بند کئے رکھنا اور پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے ساٹھ سے زیادہ ججوں کو معزول کر کے عدلیہ کو پابند سلاسل کرنا، حکومت پر تنقید کرنے والے میڈیا پر پابندیاں عائد کرنا، اکبر بگٹی کا قتل جس کے نتیجے میں پورے بلوچستان میں شورش برپا ہے، ایک بینکر کو وزیراعظم بنا کر ایسی معاشی پالیسیاں جاری کرنا جس کے نتیجے میں گرانی کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے اور عوام نان جویں کو محتاج ہو گئے، کشمیر کی قیمت پر بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھانا۔ یہ سرکاری پارٹی ان تمام نقصانات سے ملک کو بچا سکتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو آج وطن عزیز چہار طرف سے خطرات میں نہ گھرا ہوتا اور ق لیگ کو بھی آج شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ووٹوں کے حصول کی خاطر اس معافی تلافی کے ذریعہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ قوم ان کے سرپرست کے ماضی کے تمام اقدامات سے اس کو بری قرار دے دے۔ ماضی کے تمام اقدامات دین کو پس پشت ڈال کر ”سب سے پہلے پاکستان“ کے فلسفے کے تحت کئے گئے تھے۔ لہٰذا الیکشن کے موقع پر یہ ضروری سمجھا گیا کہ اپنے سرپرست کے نعرے کو ثانوی قرار دے کر دین کا سہارا لینے کی کوشش کی جائے۔

اب موجودہ حالات میں مسلم لیگ ن کی پیپلز پارٹی کے ساتھ مخلوط حکومت بنتی ہے، یا جو بھی نئی حکومت وجود میں آتی ہے، اُسے چاہیے کہ ملک میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اوّل دن اسمبلی میں یہ قرارداد لائے جس کے ذریعہ پارلیمنٹ سمیت ہر سطح پر قرآن و سنت کی حقیقی بالادستی قائم ہو اور یہ کہ دستور میں شامل ان تمام چور دروازوں کو بند کیا جائے جو ملکی قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے جانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور فوری طور پر فیڈرل شریعت کے اس فیصلے پر عملدرآمد کیا جائے جو اس نے بینک کے سود کے خلاف دیا تھا۔

ہمارے وطن کو آج جن مسائل کا سامنا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران کئے گئے اس وعدے کی تکمیل سے ہم نے انحراف کیا کہ ہم اس خطۂ ارضی میں اللہ کے دین کو نافذ کریں گے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا، عوام کو انصاف نہیں مل سکتا۔ جب تک عوام کو انصاف مہیا نہیں ہوتا ہمارے مسائل میں ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس میں عہد کا پاس نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ ہماری عہد شکنی نے ہمیں دین سے دور کر رکھا ہے، انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی ذاتی زندگی کو بھی اسلامی تعلیمات کے تابع کریں اور اجتماعی سطح پر اسلام کے نظام زندگی کو جاری و ساری کریں۔ موجودہ حالات سے گلوخلاصی کا یہی واحد راستہ ہے۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

آرچ بشپ کا نعرۂ حق

محبوب الحق عاجز

دنیا بھر کی عیسائیت کے تین اہم روحانی مرکز ہیں۔ کیتھولک عیسائیوں کا مرکز ویٹی کن سٹی (روم) ہے، جہاں کیتھولک عیسائیوں کا سربراہ پوپ بیٹھتا ہے۔ آرتھوڈکس عیسائیوں کا مرکز ماسکو میں ہے۔ اسی طرح تیسرا مرکز چرچ آف انگلینڈ ہے۔ برطانیہ میں بسنے والے عیسائیوں کی اکثریت اِس چرچ سے وابستہ ہے۔ اِس کا سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری کہلاتا ہے، جو برطانیہ کی سب سے معتبر اور محترم شخصیت سمجھی جاتی ہے۔ اِس کے تقرر کی منظوری چرچ کی سپریم گورنر کی حیثیت سے ملکہ کرتی ہے۔ اِس وقت آرچ بشپ کا عہدہ ارون ولیمز کے پاس ہے، جنہیں ملکہ الزبتھ نے وزیراعظم کی سفارش پر 2002ء میں آرچ بشپ بنانے کی منظوری دی تھی۔

گزشتہ ہفتے رائل کورٹس آف جسٹس (لندن) میں لیکچر اور بی بی سی کو ایک انٹرویو کے دوران موجودہ آرچ بشپ نے کہا: اگر برطانوی قانون کے ساتھ مخصوص حالات میں اسلامی شریعت کے چند قوانین اپنا لئے جائیں تو اِس سے برطانیہ میں مقیم لاکھوں مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ اور سماجی سطح پر افراتفری کا بھی خاتمہ ہو سکے گا۔ انہوں نے مزید کہا: برطانیہ میں اسلامی شریعت کے قانون کو اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ لازمی ہے۔ ہمیں اِس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے کہ برطانوی معاشرے میں اسلامی شرعی قانون کی بہت سی شقیں پہلے سے ہی رائج ہیں...... ہمارے یورپ کی انسانی حقوق کی عدالت نے جو یہ کہا ہے کہ اسلام کا شرعی قانون جمہوری اقدار کے منافی ہے، تو یہ بالکل غلط کہا ہے۔ کسی قانون کو محض اس لئے رد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہماری سوچ اور عقل کے مطابق نہیں۔ ہمارے معاشرے میں جو مسلمان رہتے ہیں، ہماری سٹیٹ کو اُن کی اقدار کا احترام کرنا چاہیے۔

جب الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے آرچ بشپ کا یہ بیان منظر عام پر آیا، تو مغربی دنیا بالخصوص برطانیہ میں اِس پر شدید ردعمل سامنے آیا۔ میڈیا نے ایک سادہ سی بات کو جو وسیع تر ملکی مفاد، اور مفاہمت کی غرض سے کہی گئی، ایسے اشتعال انگیز انداز سے پیش کیا کہ برطانیہ کے عوام اور خواص آرچ بشپ کے خلاف ہو گئے۔ آزادیٔ اظہار رائے کا دعویٰ کرنے والوں کو اسلامی شرعی قانون کے نفاذ کے حوالے سے بشپ کی اتنی سی بات بھی ہضم نہ ہو سکی۔ چنانچہ اُن پر تند و تیز تنقید ہونے لگی۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں نے کہا کہ بشپ کا بیان چرچ کے لئے شدید نقصان کا باعث ہے، لہٰذا وہ اپنے ریمارکس واپس لیں۔ ملکہ برطانیہ کو بھی سخت پریشانی لاحق ہو گئی۔ ملکہ کے ذرائع کے مطابق اگرچہ ملکہ نے بیان کو احمقانہ اور غیر دانشمندانہ قرار نہیں دیا، مگر وہ اُس پر سخت ناراض ہوئیں، کیونکہ اُن کے خیال میں برطانیہ میں

> آرچ بشپ نے کہا:
> برطانیہ میں اسلامی شریعت کے قانون کو اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ لازمی ہے۔ ہمیں اِس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے کہ برطانوی معاشرے میں اسلامی شرعی قانون کی بہت سی شقیں پہلے سے ہی رائج ہیں

شرعی قوانین کے نفاذ کے معاملے میں جو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے، اُس سے نہ صرف آرچ بشپ آف کنٹربری کی حیثیت متاثر ہو گی، بلکہ چرچ آف انگلینڈ کو بھی نقصان پہنچے گا۔ ادھر حکومت برطانیہ نے بھی بیان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ برطانیہ میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عوامی سطح پر بھی بشپ کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کیا جانے لگا۔ رائے عامہ کے جائزوں کے مطابق لوگ بشپ کے اِس قدر خلاف ہو گئے کہ بہت سے عیسائیوں نے مطالبہ کیا کہ ارون ولیمز اپنے بیان پر قوم سے معافی مانگیں۔ بہت سے حلقے اس سے بھی آگے بڑھ کر اُن سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنے لگے، یہاں تک کہ اِن لوگوں میں عیسائی علماء کی کابینہ (سینڈ) کے بعض اہم لوگ بھی شامل ہو گئے۔

آرچ بشپ نے اپنے بیان پر عوام و خواص کے سخت ردعمل اور احتجاج کے باوجود اپنے ریمارکس واپس لینے اور قوم سے معافی مانگنے سے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے جو صدائے حق بلند کی ہے، وہ اُس پر پورے شرح و بسط کے ساتھ قائم ہیں۔ 11 فروری کو انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے عیسائی علماء کی کابینہ کا اجلاس طلب کیا، اور اجلاس میں اپنے بیان کا بہت عمدگی سے دفاع کیا۔ اِس اجلاس میں آرچ بشپ نے جو فکر انگیز خطاب کیا، اُسے بی بی سی سمیت دنیا کے اہم ٹی وی چینلز نے براہ راست نشر کیا۔ آرچ بشپ نے کہا: میں نے اسلامی قانون کے بارے میں جو کہا، اُس پر قائم ہوں۔ مجھے اپنے موقف پر کی جانے والی تنقید کی کوئی پروا نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ دوسرے مذہبی طبقات (مسلمانوں) کے خدشات پر توجہ نہ دینا اور انہیں برطانوی معاشرے میں لانے کی کوشش نہ کرنا چرچ آف انگلینڈ کے لئے نامناسب ہو گا...... اپنے دفاع میں ڈاکٹر ولیمز نے اِس بے عیب سچائی کو بھی پیش کیا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے زیادہ دنیا میں امن و انصاف کے لئے کسی نے کوشش نہیں کی۔ خواتین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا درس بھی آپ ہی نے دیا، اور آپؐ نے اِس حوالے سے سخت قوانین بنائے، انہوں نے کہا کہ میں نے اِسی لئے برطانوی قوانین میں اسلامی شرعی قوانین کے نفاذ کی تجویز دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے میڈیا اور چرچ کے لوگوں کو یہ کہہ کر ہدف تنقید بنایا کہ انہوں نے اسلامی شرعی قوانین کے نفاذ کے حساس موضوع کو غلط انداز میں پیش کر کے مسئلہ کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی شرعی قوانین کی بابت آرچ بشپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ روشن حقائق ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ مسلمان خود محروم یقین ہیں، اسلامی ممالک کے حکمران اسلامی شریعت، اور حدود اللہ سے عملاً بغاوت کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ خود مغربی دنیا نظریاتی اور تہذیبی بلکہ عسکری سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ اسلام کے حرکی تصور کو انتہا پسندی اور مسلمان کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔ صیہونیوں کے پروگرام کے عین مطابق امریکہ اور اتحادی مسلمانوں پر یلغار کر رہے ہیں۔ اسلام کی توہین کا سلسلہ جاری ہے، حد یہ ہے کہ انسانیت کو امن و سلامتی اور عدل و انصاف کا نظام زندگی عطا کرنے والے پیغمبر اسلام کی جلیل القدر ہستی کے حوالے سے گستاخانہ خاکے شائع کر کے تہذیبی تصادم کو بھڑکایا جا رہا ہے، آرچ بشپ نے حد درجہ بصیرت، دانشمندی، وسعت نظری اور وسیع الظرفی کی ایک عمدہ مثال

پیش کی ہے، جس کی دوسرے لوگوں کو بھی تقلید کرنی چاہیے۔

یہ انداز فکر اگر امریکہ پر مسلط نیوکونز ٹولہ کے دماغوں میں بھی سما جائے اور وہ نیو ورلڈ آرڈر کے غلبے کے لئے اسلامی تہذیب اور اسلامی نظام زندگی کے خلاف اپنی جارحانہ جنگ سے باز آجائے، تو دنیا کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچایا جاسکتا ہے۔

آرچ بشپ کی یہ بات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ "ہمارے یورپ کی انسانی حقوق کی عدالت نے جو یہ کہا ہے کہ اسلام کا شرعی قانون جمہوری اقدار کے منافی ہے، تو یہ بالکل غلط ہے۔ کسی قانون کو محض اِس لئے رد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ہماری سوچ اور عقل کے مطابق نہیں۔"

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ آخری دین آسمانی ہدایت کا کامل ترین ایڈیشن ہے، وہ جس قانون شریعت اور نظام اجتماعی کا علمبردار ہے، وہ عظیم الشان خصوصیات کا حامل ہے۔ اُس کا کیچ ورڈ "عدل" ہے۔ کسی نظام نے عدل و انصاف کو اتنی فوقیت نہیں دی جتنی کہ اسلام نے دی۔ اسلام کے نظام زندگی کی بنیاد ہی عدل پر ہے، اور اِس معاملے کو اِس قدر وسعت دی گئی ہے کہ یہ تعلیم دی گئی کہ دشمن فرد اور قوم کے معاملے میں بھی عدل و انصاف کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔ اصول حریت و مساوات کا مکمل نقشہ بھی یہی نظام فراہم کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک بندہ و آقا کی تمیز فساد آدمیت ہے۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے، اُس کا سر اپنے مالک کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے۔ سماجی اور قانونی سطح پر کسی بھی انسان کو رنگ و نسل، زبان یا کسی اور حوالے سے دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ یہ اعجاز بھی صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اُس نے عورتوں، مردوں، بچوں، بزرگوں، مسلموں، غیر مسلموں، دشمنوں حتیٰ کہ جانوروں تک کے ٹھیک ٹھیک حقوق متعین کئے ہیں، جو دنیا کے کسی بھی اجتماعی نظام یا ازم میں ڈھونڈے سے بھی تلاش نہیں کئے جاسکتے۔ اسلام ہی پسے ہوئے اور مظلوم طبقات کے لئے زندگی کا پیغام ہے۔ آج دنیا میں انسانی حقوق کا غلغلہ ہے، مگر اِس بات کو خود غیر مسلم منصف مزاج دانشور بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی حقوق کا عالمی چارٹر سب سے پہلے پیغمبر اسلام نے ہی خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر پیش فرمایا، جس کے صدیوں بعد بھی اہل یورپ تاریک دور (Dark age) میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ انسانیت کا قافلہ آج تھیا کریسی، شخصی حکمرانی اور بادشاہی نظام کے تھپیڑے سہہ کر اور ارتقاء کی منزلیں طے کرتے ہوئے جمہوریت تک پہنچا ہے، مگر جمہوری نظام میں لوگوں کو آزادی اظہار رائے، سماجی اور قانونی مساوات، اور انصاف تک رسائی کے جو حقوق حاصل ہیں، اِن سمیت دیگر اعلیٰ وارفع اصولوں پر مبنی معاشرہ نبی اکرمؐ نے وہ چودہ برس پہلے بالفعل قائم کر دکھایا۔ ایچ جی ویلز ہمارے عظیم المرتبت نبی ﷺ سے اپنی تمام تر عداوت اور بغض کے باوجود اپنی تالیف "A Concise History of the World" میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ "انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو اگرچہ دنیا میں پہلے بھی بہت کیے گئے تھے۔ چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی اُن کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن نوع انسانی کی تاریخ میں پہلی بار اِن اصولوں پر نظام عملاً محمد (ﷺ) نے قائم کر کے دکھایا۔" مغرب کا جمہوری نظام اپنے اندر کئی قباحتیں لئے ہوئے ہے، مگر وہ جن خوبیوں کا حامل ہے، وہ سب کی سب اہل مغرب نے نظام مصطفیٰ ﷺ سے مستعار لی ہیں، یہی وہ نظام کہ جس کا نقشہ آپؐ کے وصال کے بعد دنیا نے خلافت راشدہ کی صورت میں دیکھا۔ یہ بابرکت نظام اِس قدر عادلانہ اور اعلیٰ وارفع خوبیوں کا حامل ہے کہ موجودہ جمہوری نظام اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود اُس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتا۔ اسی نظام میں سسکتی ہوئی انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو انسان آج اِسی نظام عدل کی تلاش میں سرگرداں ہے، حکیم الامت علامہ اقبال نے بجا طور پر کہا ہے کہ

آرچ بشپ کے اِس بیان میں مسلم ممالک کے شاہوں، فوجی آمروں، ڈکٹیٹروں اور سیکولرازم کے علمبرداروں کے لئے بھی پیغام ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ مغربی دنیا کی خوشنودی کیلئے اسلامی احیائی عمل کا راستہ نہ روکیں، بلکہ پورے خلوص واخلاص اور سچے جذبہ کے ساتھ قانون شریعت کو نافذ کریں

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
باز نور مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

ڈاکٹر ولیمز نے بجا طور پر یہ بات کہی ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے زیادہ امن و انصاف کے لئے کسی نے کوشش نہیں کی۔ آپ کا لایا ہوا نظام شریعت سراپا عدل ہے۔ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے۔ اسلام آیا ہی اِس لئے ہے کہ عدل قائم کرے۔ سورۃ الحدید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا، جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے (دوسرے) فوائد ہیں......" (آیت:25) جس لمحے بھی انسان کو عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا، اُسے اُسی لمحے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اُس کے رسول کی شریعت کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

اگر ڈاکٹر ولیمز نے مسلمانوں کی اقدار کے احترام کی غرض سے برطانیہ میں اُن کے عائلی اور دیوانی تنازعات کو قانون شریعت کے مطابق بنانے کی بات کی ہے تو یہ دانشمندانہ اور معقول مطالبہ ہے۔ اگر یہودیوں کے لئے برطانیہ میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ اُن کے فیصلے تورات کے مطابق ہوں تو پھر مسلمانوں کے لئے ایسا کیوں نہ کیا جائے؟ جبکہ ایسا کرنے سے بقول بشپ کے مسلمان معاشرتی دھارے میں آجائیں گے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ دنیا میں امن و امان کا قیام اور جرائم کا خاتمہ شرعی قوانین کے نفاذ ہی سے ممکن ہے۔ اِس کے بغیر آپ چاہے لاکھ کوشش کریں، جرائم ختم نہیں ہو سکتے۔ امریکہ جیسا ملک جو تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا دعویدار ہے، وہاں بھی صورتحال یہ ہے کہ جرائم کی شرح آئے روز بڑھ رہی ہے۔ اِس کے مقابلے میں سعودی عرب میں جہاں اسلامی حدود نافذ ہیں، جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہی کارنامہ اپنوں اور غیروں کے "معتوب" طالبان نے بھی اپنے چند سالوں میں کر دکھایا تھا کہ بدامنی و انتشار اور خانہ جنگی کے شکار افغانستان کو امن و امان کا گہوارا بنا دیا۔ اور اِس صورتحال سے جسٹس (ر) جاوید اقبال جیسے دانشور بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگر برطانیہ میں یہ کام ہو جائے کہ جو مسلمان چوری کرے، اُس کا ہاتھ کٹے، بدکاری کی شرعی سزا دی جائے، قاتل کی سرعام گردن اڑا دی جائے تو اِس کے یقیناً حد درجہ مثبت اثرات ظاہر ہوں گے، اور باقی دنیا بھی اِس سے ضرور اثر قبول کرے گی۔

آرچ بشپ کے اِس بیان میں مسلم ممالک کے شاہوں، فوجی آمروں، ڈکٹیٹروں اور سیکولرازم کے علمبرداروں کے لئے بھی پیغام ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ مغربی دنیا کی خوشنودی کے لئے اسلامی احیائی عمل کا راستہ نہ روکیں، بلکہ پورے خلوص و اخلاص اور سچے جذبہ کے ساتھ قانون شریعت کو نافذ کریں۔ یہ اُن کی دینی ذمہ داری ہے۔ یہ اِس لئے بھی ضروری ہے کہ اِسی سے بدامنی، انتشار، لاقانونیت، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اور اگر اسلامی دنیا کے اندر اسلام اور سیکولرازم کی کشمکش جاری رہتی ہے اور حکمران عوامی امنگوں کے برعکس نام نہاد روشن خیالی کے نام سے اسلامی نظام زندگی اور اقدار کے خلاف مصروف کار رہتے ہیں تو اسلامی ممالک کی داخلی کشمکش اور انتشار میں مزید اضافہ ہوگا۔ کیا ہے کوئی جو بشپ کے بیان سے سبق سیکھے؟

سلطان عبدالحمید کی خفیہ ڈائری

سید قاسم محمود

بالآخر عثمان سلطان کی گم شدہ ڈائری مل گئی ہے، جس سے وہ مؤرخ کی نظر میں تمام الزامات سے بری ہو گئے ہیں جو اُن پر عائد کیے گئے تھے۔ یہ ڈائری خود نوشت ہے، اور اس کی تلخیص پیش کرنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ سلطان عبدالحمید کون ہیں اور عثمانی سلاطین میں اُن کی کیا اہمیت ہے۔

سلطان عبدالحمید ثانی غازی (1842ـ1918ء) کے والد سلطان عبدالمجید (1823ـ1861ء) وہ پہلے عثمانی سلطان تھے جو فرانسیسی زبان بول سکتے تھے۔ انہوں نے 1849ء میں ہنگری کو آسٹریا کے حوالے سے انکار کر کے عالمگیر شہرت حاصل کی تھی۔ سلطان عبدالمجید کو ''تنظیمات'' کا بانی قرار دیا جاتا ہے (جن کا مفصل تذکرہ ''ندائے خلافت'' کے سابقہ شماروں میں ہو چکا ہے)۔

سلطان عبدالحمید نے اپنی آنکھوں سے والد اور اُن کے بعد چچا سلطان عبدالعزیز (1830ـ1876ء) کو مغربی اصلاحات ''تنظیمات'' اور مغربی افکار و اصلاحات کو نافذ کرتے دیکھا۔ اسی طرح طفولیت اور جوانی میں انہوں نے ترکی پر یورپی طاقتوں کی حریصانہ نگاہوں اور رُوس کی للچائی ہوئی نظروں کو تاڑ لیا تھا اور یہ محسوس کر لیا تھا کہ مغربی فکر و تہذیب عثمانی سلطنت کو متزلزل کیے دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیمات کے متعلق اُن کا رویہ خاصا محتاط اور دُور اندیشی پر مبنی تھا۔

سلطان نے مغربی طاقتوں کی مداخلت سے بچنے کے لیے وزیر اعظم مدحت پاشا کے مشورے سے استنبول میں ایک بین الاقوامی مجلس طلب کی اور 23 دسمبر 1876ء کو افتتاح کے موقع پر ہی ایک شاہی فرمان (خطِ ہمایوں) جاری کیا جس کی رُو سے پہلے دستورِ اساسی کا نفاذ ہُوا۔ اس کے تحت دو ایوانی پارلیمنٹ قائم ہوئی۔ پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس مشہور لیڈر احمد دقیق پاشا کی صدارت میں 17 مارچ 1877ء کو طلب کیا گیا اور پھر تیس سال کی مدت کے لیے ملتوی ہو گیا۔ سلطان کے دور میں دو بڑی جنگیں ہوئیں۔ ایک رُوس کے خلاف اور دوسری یونان کے خلاف۔ یورپی طاقتوں نے دونوں جنگوں کے موقع پر سلطان کے خلاف کارروائی کی، جس کے باعث ''نوجوان ترکوں'' کی بغاوت جلد کامیاب ہو گئی۔ جولائی 1908ء میں میجر نیازی بے نے مناستر پر قبضہ کر لیا اور اسی مہینے میں میجر انور بے نے سلونیکا میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ سلطان دب گئے اور نتیجتاً دستور ساز پارلیمنٹ کو 24 جولائی کو پھر بحال کر دیا۔ 13 اپریل 1909ء کو چند فوجی دستوں نے مذہب کے نام پر مشتعل ہو کر اچانک سر اٹھایا، لیکن مقدونیہ کی تیسری فوج نے وہ آئین بھی واپس دلایا اور وہ نوجوان ترک بھی واپس آ گئے جو اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ اِس حادثے میں انجمن اتحاد و ترقی کے فوجیوں کا قتلِ عام ہُوا اور عوام میں سخت بے چینی پھیلی۔ یورپی طاقتوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سلطان کے خلاف شورش برپا کر دی۔ اتحاد و ترقی کی فوجیں سلونیکا سے استنبول میں داخل ہو گئیں اور سلطان پر مندرجہ ذیل الزامات لگا کر انہیں معزول کر دیا:

سلطان لکھتے ہیں:
''یہودی میرے پاس آئے اور کثیر رقم کے عوض فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری کے لیے ایک خطۂ زمین کا مجھ سے مطالبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ انکار کے سوا میرے پاس چارہ نہ تھا۔''

1۔ 13 اپریل 1909ء کے قومی حادثے کی سازش کی اور فوجیوں کے قتلِ عام میں حصہ لیا۔

2۔ سلطان نے مذہبی مصاحف اور فقہ کی کتابیں نذرِ آتش کیں۔

3۔ سلطان خوں ریزی اور ظلم و ستم کے مجرم ہیں اور انہوں نے پوری سلطنت میں بدامنی پھیلائی ہے۔

اِن الزامات کو بنیاد بنا کر سلطان کو سلونیکا میں جلا وطن کر دیا گیا۔ جب 1912ء میں جنگِ بلقان چھڑی تو انہیں باسفورس کے کنارے قصر بیلر بی میں منتقل کر دیا گیا، جہاں 10 فروری 1918ء کو 75 سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہو گیا اور اپنے دادا محمود عثمانی کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔

سلطان عبدالحمید کو داخلی محاذ پر دو اہم معاملات سے نمٹنا پڑا۔ ایک تو بابِ عالی کا اثر و نفوذ اور دوسرے ترک نوجوانوں کی سازشیں۔ اگرچہ سابقہ سلاطین کے اختیارات بھی لامحدود تھے لیکن وہ لوگ حکومت کے معاملات میں بہت کم دخل دیتے تھے۔ انہوں نے حکومت کے تمام امور اپنے وزیر اعظم (صدر اعظم) کے حوالے کر رکھے تھے۔ حکومت وزیر اعظم کے ''بابِ عالی'' کا دوسرا نام تھا۔ اس کے مقابلے میں سلطان عبدالحمید ثانی نے امورِ مملکت پر مکمل گرفت رکھنے کے لیے بابِ عالی کی بجائے قصرِ شاہی اور ''دربارِ سلطانی'' کو زیادہ اہمیت دی۔ ترکی میں اِس نئے ذریعے کا نام ''مابین'' تھا۔ یہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں درمیان (یعنی جو ڈیوڑھی بابِ عالی اور رہائشی کمروں کے درمیان ہو)۔ مابین ایک الگ عمارت تھی جس میں درخواستیں وصول کرنے والے اہل کاروں کے دفاتر تھے۔

''ترک نوجوان'' بنیادی طور پر مغربی ممالک کے تعلیم یافتہ اور وہاں کے فکر و تہذیب کے خوشہ چین تھے۔ وہ مغربی طرزِ جمہوریت کے داعی اور اسی میں ملک کی فلاح و بہبود کی ضمانت سمجھتے تھے۔ ترک نوجوانوں کی انجمن 1860ء میں خفیہ طور پر قائم ہوئی تھی اور سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مسلسل مصروف رہتی تھی۔ اسی لیے سلطان کی نظریں اس کی تاک میں رہتی تھیں۔ انجمن اتحاد و ترقی، نوجوان ترک اور دیگر ناموں سے یہ باغیانہ عناصر ترکی میں یورپی طاقتوں کی شاطرانہ سیاست کا مہرہ بنے ہوئے تھے۔ انہی لوگوں نے سلطان عبدالعزیز کو معزول کیا تھا اور اُن کی جگہ سلطان مراد پنجم کو تخت پر بٹھایا تھا۔ مُراد کی عمر اُس وقت 36 سال تھی اور یورپ کے سرکاری حلقوں سے اُن کے مراسم تھے۔ انگلستان کے ولی عہد کے وہ پکے دوست تھے اور اُسی کی وساطت سے سلطان مراد کے تعلقات یہودیوں کی تنظیم فری میسن سے قائم ہوئے تھے۔ ترک نوجوانوں کی تنظیم سے بھی اُن کے گہرے مراسم تھے۔

نوجوان ترکوں کو قوی امید تھی کہ سلطان مُراد کے عہد میں ترکی میں یورپ کا عمل دخل بڑھے گا، کیونکہ نوجوانوں کی تعلیم و تہذیب اور فکر و اسلوبِ زندگی پر مغرب کی گہری چھاپ تھی۔ اسی لیے انہوں نے سلطان عبدالعزیز کو حکومت سے ہٹایا تھا اور ایک سازش کے تحت انہیں قتل کر دیا گیا تھا، مگر سلطان مُراد پر ان تمام حالات اور سازشوں کے اثر سے جنون کا دورہ پڑا اور 93 دن کی بادشاہت کے بعد اُسے معزول کر کے سلطان عبدالحمید کو خلیفہ بنایا گیا۔ لیکن

سلطان عبدالحمید نے برسراقتدار ہونے کے بعد اِن عناصر کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

سلطان کی خفیہ ڈائری

اِس خفیہ ڈائری کا اصل نام ''المذکرات'' ہے۔ سلطان نے قصرِ بیلربی کے ایامِ اسیری میں قلم بند کی تھی۔ اس میں اُنھوں نے اپنے دور کے سیاسی وتہذیبی حالات بیان کیے ہیں۔ اِس خودنوشت ڈائری میں نوجوان ترکوں کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے خیانت و بدعہدی کا تذکرہ بھی ہے اور یورپی طاقتوں کی شاطرانہ سیاست کی پردہ دری بھی، سلطان کے خلاف ہونے والی سازشوں کا بیان بھی ہے اور انجمن اتحادوترقی کے اراکین کے مظالم کی تفصیلات بھی۔ یہ ڈائری سلطان کی دینی حمیت وغیرت، ملکی اُمور سے گہری دلچسپی اور یہودیوں اور یورپی طاقتوں سے سخت نفرت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ سلطان پر مختلف نوعیت کے جو الزامات مغربی مصنفین نے عائد کیے ہیں، اور انھیں جس طرح وطن دشمن، رجعت پسند، علوم کا دشمن، ادب، روشن خیالی اور ترقی پسندی سے عناد رکھنے والا سلطان ثابت کرنے کی سازش کی جاتی رہی ہے، اُس کی قلعی بھی یہ ڈائری کھول دیتی ہے۔

ڈائری کے مترجم نے ترجمے کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھا: ''میں نے اِن یادداشتوں کا ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا، تاکہ مسلم اور بالخصوص عرب محققین و مؤرخین کے سامنے اُن واقعات وحوادث کے سلسلے میں، جن میں سلطان عبدالحمید کی ذات مرکز ومحور رہی ہے، سلطان کا نقطۂ نظر بھی سامنے آجائے۔ اس لیے کہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کے سامنے سلطان کے حریف عناصر ہی کے خیالات وآرائیں اور اہلِ یورپ نے انہی کی تائید وحمایت کی ہے، بلکہ مغربی مفکرین ومؤرخین نے تو بہت آگے بڑھ کر سلطان پر تنقید کرنے میں بڑی مبالغہ آرائی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سلطان کی ذاتی یادداشتیں دنیا کے سامنے پیش کرکے میں نے سلطان کی شخصیت اور اُن کے عہد کی تصویر مکمل کردی ہے۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی بھی تاریخی مسئلے میں فریقین کے ماخذ کی موجودگی سے تاریخ نگاری میں انصاف ودیانت کا قوی امکان رہتا ہے۔''

سلطان کی اسلامی حمیت

اپنی ڈائری میں سلطان عبدالحمید خان نے سلطنتِ عثمانیہ اور دشمنانِ اسلام کا جائزہ لیا ہے۔ وہ اِس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں کفر کی طاقتیں ہمیشہ ایکا کرلیتی ہیں۔ سلطان لکھتے ہیں:

''جب میں تختِ حکومت پر فروکش ہُوا تو تمام حقائق سے واقف نہ تھا۔ اُن کی پہچان دھیرے دھیرے تجربے سے ہوئی اور رُوسی جنگوں کے دوران بہت سے اُمور سے پردہ ہٹا۔ ایک اور حقیقت بھی سامنے آئی کہ ہم دنیا میں تنہا کھڑے ہیں۔ ہمیں دشمنوں کا سامنا ہے اور ہمارا دوست کوئی نہیں ہے۔ صلیب ہر وقت متحد ہوسکتی ہے، لیکن ہلال ہمیشہ تنہا رہے گا۔ ہر طاقت دولتِ عثمانیہ سے فائدہ اٹھانے کی خواہش مند ہے اور ہم سے دوستی کا دَم بھرتی ہے، لیکن جب اُس کی اُمید بر نہیں آتی تو ہم سے دشمنی پر آمادہ ہوجاتی ہے، اسی لیے میری سیاست کی بنیاد یہ تھی کہ دشمن کا مقابلہ اُسی کے ہتھیار سے کرو۔''

''......جس سال میں نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی، انگریز ہندوستان کی سیاست پر قابض ہوئے اور بحرِ ہند کے راستے محفوظ کرنے کے لیے انھوں نے اپنی پوری توانائی صرف کر دی۔ دوسری طرف وہ چین اور وسط ایشیا میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ روس نے بھی اُن برسوں میں وسط ایشیا پر اپنی توجہ مرکوز کی اور فرغانہ اور خوقند پر قابض ہوگیا، اور اس کے بعد کرغستان، ترکستان اور تاجکستان کو بھی اُس نے ہڑپ کرلیا۔ اُس وقت ایشیا میں انگریزوں اور روسیوں میں مقابلہ آرائی ہورہی تھی۔

''امریکا میں ایک نئی طاقتور حکومت جنم لے رہی تھی...... عالمی سطح پر یہودی منظم ہوئے اور انھوں نے فری میسن کی تنظیم کے ذریعے 'ارضِ موعود' کی جدوجہد تیز کردی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ میرے پاس آئے اور کثیر رقم کے عوض فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے ایک خطۂ زمین کا مجھ سے مطالبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ انکار کے سوا میرے پاس چارہ نہ تھا۔''

سلطان عبدالحمید دنیائے اسلام کے اتحاد کے علم بردار تھے۔ وہ یہ حقیقت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے مسلمانوں پر انحصار کرنا اور دنیا کے دوسرے خطوں میں رہنے والے مسلمانوں سے بے نیازی برتنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ایشیا کے تمام مسلمانوں کو متحد دیکھنا چاہتے تھے، اور چین، ہندوستان، افریقہ، مشرقی وسطی اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور اخوت کا رشتہ مضبوطی سے قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''خلافت کے خلاف انگریزوں کی یہ آخری سازش نہ تھی۔ انگریز ایشیا کے 150 ملین مسلمانوں پر حکمرانی کر رہے ہیں، جن پر خلافت کے بڑے گہرے اثرات موجود ہیں۔ اسی لیے انگریزوں کو شکوک وشبہات کا موقع دیے بغیر میں علماء و مشائخ، صوفیہ، دراویش اور معزز اشراف کو وسط ایشیا میں بھیجتا رہتا تھا اور وسط ایشیا کے مسلمانوں سے خلافت کے حوالے سے مضبوط و مستحکم تعلقات رکھنے پر خصوصی توجہ دیتا تھا۔''

روشن خیالی اور ترقی پسندی

سلطان عبدالحمید کی روشن خیالی اور ادب وتعلیم سے اُن کی گہری دلچسپی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہدِ حکومت میں جدید علوم کے متعدد کالج اور مدارس قائم کیے۔ تعلیم کے بجٹ کے لیے کثیر رقم مختص کی۔ فرانسیسی زبان سیکھی اور اس زبان میں شائع ہونے والے اخبارات ورسائل کا مطالعہ کیا۔ سلطان اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''افسوس ہے کہ لوگوں نے مجھے ادب اور لٹریچر کا دشمن مشتہر کر رکھا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں ادب کا دشمن نہیں ہوں۔ ہاں ادب کے نام پر بے ادبی کرنے والوں کا مخالف ضرور ہوں۔ میں نے ادیبوں سے دشمنی نہیں کی، بلکہ ان لوگوں کی مخالفت کی، جنھوں نے ادب کو نقصان پہنچایا۔

''یہ رائے عامہ کی طاقت نہ تھی جس نے مجھے ضیا بک کو استنبول سے دُور بھیجنے پر آمادہ کیا، خواہ وزیر بنا کر یا والی کی صورت میں، بلکہ اس کے علم وفضل کا احترام کرنے کی وجہ سے میں نے اُسے یہ عزت بخشی۔ کتنے ہی لوگ میرے سدِّ راہ بنے، جب میں نے مدحت پاشا کو یورپ بھیجا، جبکہ عوام پر اُس کے گہرے اثرات تھے، اور دو سلاطین کی معزولی میں وہ ایک اہم عامل سمجھا جاتا تھا۔

اگر میں ادب کا دشمن ہوتا تو واثق کمال بک کو اُس کی وفات تک اپنی ذاتی جیب سے مسلسل تنخواہ نہ دیتا رہتا اور اُس کے بیٹے کو حکومت میں ملازم نہ رکھتا۔

اگر میں ادب کا دشمن ہوتا تو میں اکرم بک (شاعر) اور ابوالضیا بک (ادیب) کی مخالفت اور لعن طعن کو برداشت نہ کرتا۔

اگر میں ادب کا دشمن ہوتا تو عبدالحق حامد (ادیب) کے قرضوں کی ادائی نہ کرتا اور اُسے بھاری مشاہرے پر متعین نہ کرتا۔''

اور اگر میں ادب اور تاریخ نویسی کا دشمن ہوتا تو مُراد بک کی تمام حماقتیں برداشت نہ کرتا جو ایک زمانے میں میری حکومت کی مخالفت کرتا تھا۔ میں اِس بات پر راضی نہ ہوتا کہ میری سلطنت کے آخری ایام تک وہ سلطنت کی خدمت میں لگا رہے اور عیش وآرام کی زندگی بسر کرے۔

ہرگز نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں ادیبوں کا دوست اور اُن کا مشفق رہا ہوں۔ اگر میں اُن کا دشمن ہوتا تو کیا میرے پاس ایسے افراد نہ تھے جو بیچ سڑک پر ادیبوں اور قلم کاروں کو قتل کردیتے؟

احکامات الٰہی سے روگردانی کا انجام

طارق اسماعیل ملک

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات بجالاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے منع کیے ہوئے کاموں سے بچتا اور پرہیزگاری کی زندگی گزارتا ہے اُسے اس کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے' نیک نامی میسر آتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کے دُنیوی اُمور کی بجاآوری میں اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی معاش کشادہ ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ...... اور میرا بندہ (اپنے آپ کو میری بندگی میں دینے والا) میری کسی پسندیدہ شے کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہے تو میں نے اس پر جو کچھ فرض کیا ہے، اس سے بڑھ کر کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کرسکتا۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب تر ہوتا رہتا ہے' یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو لازماً عطا کرتا ہوں' اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو لازماً پناہ دیتا ہوں۔ اور مجھے کوئی کام کرتے ہوئے ایسا تردّد نہیں ہوتا جیسا تردّد مجھے اس بندۂ مؤمن کے نفس کے بارے میں ہوتا ہے جو موت کو ناپسند کرتا ہے' اور اس کو تکلیف پہنچانا مجھے پسند نہیں''۔ (صحیح البخاری)

اس کے برعکس جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات سے روگردانی کرتا ہے اور منع کردہ چیزوں میں منہ مارتا ہے تو دنیا میں اسے یہ سزا ملتی ہے کہ اس پر دنیا اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے' اس سے اطمینانِ قلب چھن جاتا ہے۔ اگرچہ دارالجزاء آخرت ہے۔ چنانچہ ہمارے اعمال کا پورا پورا صلہ ہمیں وہیں ملے گا۔ تاہم ہمیں دنیا میں بھی اعمال کے کچھ ثمرات نظر آجاتے ہیں۔ مثلاً نماز ہی کو لیجیے۔ اگر تمام لوازمات کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع وخضوع اور اخلاصِ نیت کے ساتھ نماز ادا کی جائے' اس میں ریاکاری یا کسی دیگر مفاد کا شائبہ نہ ہو تو نماز سے انسان کو راحتِ قلب نصیب ہوتی ہے جو کہ ایک عظیم نعمت خداوندی ہے۔ پھر یہ کہ اس سے آدمی کو دنیا میں نیک نامی میسر آتی ہے۔ لوگ ایسے آدمی کی عزت واحترام کرتے ہیں اور اس کے قول وفعل کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ نماز کے پنج وقتہ نظام سے آدمی کی زندگی نظم وضبط کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے اور امورِ زندگی احسن طریقے سے انجام دینا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی برے کام کی سزا اگرچہ آخرت میں ہی ملے گی' مگر اس کا وبال دنیا میں بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر جھوٹ بولنے سے انسان کا دنیا میں اعتبار اُٹھ جاتا ہے اور وہ بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایک جھوٹ کے وبال سے بچنے کے لیے اسے کئی اور جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اس کے قول وفعل کا اعتبار اٹھ جاتا ہے اور اسے دُنیوی زندگی میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

علامہ ابن القیم الجوزیہؒ نے گناہوں کے متعدد نقصانات کا ذکر کیا ہے: مثلاً گناہ سے ''(1) انسان علم سے محروم رہتا ہے۔ (2) دل پریشان رہتا ہے۔ (3) معاملات میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ (4) بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ (5) نیک کاموں کی توفیق سے محرومی ہو جاتی ہے۔ (6) برکت ختم ہو جاتی ہے۔ (7) دل تنگی محسوس کرتا ہے۔ (8) گناہوں کی کثرت ہو جاتی ہے۔ (9) گناہوں کی عادت پڑ جاتی ہے۔ (10) گناہگار اللہ تعالیٰ کے ہاں بے وقعت ہو جاتا ہے۔ (11) مخلوق خدا کے ہاں بے قدر ہو جاتا ہے۔ (12) جانور اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (13) چہرے پر گناہوں کی نحوست چھا جاتی ہے۔ (14) دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ (15) دعا قبول نہیں ہوتی۔ (16) زمین اور سمندروں میں خوف وہراس پھیل جاتا ہے۔ (17) غیرتِ انسانی سے محروم ہو جاتا ہے۔ (18) حیا ختم ہو جاتی ہے۔ (19) نعمتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (20) مشکلات کی یلغار ہو جاتی ہے۔ (21) دل پر غیر محسوس قسم کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ (22) شیطان کے شکنجے میں رہتا ہے۔ (23) دنیا میں بدترین انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ (24) آخرت میں عذاب سے دوچار ہوتا ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جس نے میرے ''ذکر'' سے منہ موڑا تو اس کے لیے دنیا میں زندگی یقیناً تنگ ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔'' (طٰہٰ:124)

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے یہ بات بخوبی آشکار ہو رہی ہے کہ ذکرِ الٰہی سے اعراض کی پاداش میں آدمی کے لیے اُخروی وبال کے ساتھ ساتھ دُنیوی زندگی بھی تنگ پڑ جاتی ہے۔ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود اس کے لیے گھیرا تنگ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد دراصل اس کے تمام احکامات کی بجاآوری اور منہیات سے کنارہ کشی ہے۔ آج اُمت مسلمہ جس بحران سے دوچار ہے یہ اسی ذکرِ الٰہی سے انحراف اور روگردانی کی سزا ہے۔ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کا آج عالم یہ ہے کہ بے پردگی' شراب وکباب' جھوٹ' فریب ایسی برائیاں ہمارا کلچر بن چکی ہیں اور ہم مغرب کی نقالی میں راہِ راست سے ہٹ چکے ہیں۔ ہمارا نوجوان طبقہ گانوں اور فلموں کا رسیا ہو چکا ہے۔ ان چیزوں کی عادات اتنی پختہ ہو چکی ہیں کہ ہمارے نوجوانوں کا ان کے بغیر گزارا نہیں ہے۔

عورت جسے فاطر فطرت نے ایک مقدس مقام دیا ہے اور جس کی جائے قرار اس کا گھر ہے' جس کی اصل ذمہ داری خاوند کی اطاعت' امورِ خانہ داری اور نئی نسل کی اچھی تعلیم وتربیت ہے' وہ آج اپنی ذمہ داریوں کو بھول کر محفل کی زینت بنی ہوئی ہے۔ نیم عریاں' بلکہ عریاں لباس کو پسند کرتی ہے اور اپنے جسم کی نمائش کرتی نظر آتی ہے۔ چالاک مرد کے آوارہ نفس نے اپنی آوارگی کی خاطر عورت کو اس کی خوبصورتی کا جھانسہ دے کر اس کا لباس اتروا دیا ہے۔ انتہائی سرد موسم میں بھی جبکہ مرد کا جسم تو سرتاپا گرم لباس میں ڈھکا ہوا ہوتا ہے' بے چاری عورت اس مرد کی خاطر آدھے لباس میں ہوتی ہے اور اس پر خوش بھی ہوتی ہے۔

آج کا مسلمان نوجوان جس کے ہاتھ میں اُمت کی تقدیر ہے جسے منہیاتِ الٰہی سے بچتے ہوئے اور احکاماتِ الٰہی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اُمت کو بامِ عروج تک پہنچانا تھا' وہ خود اُمت کی تاریخ سے بے بہرہ اور پستی میں گرا ہوا ہے اور شیطانی چالوں کا شکار ہو کر بے عملی کی (باقی صفحہ 15 پر)

پاکستان کا مستقبل

محمد حسین

وطن عزیز میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پاکستان کے مستقبل کے بارے میں وقتاً فوقتاً شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں ان میں بہت کم عوام اور بہت زیادہ خواص کی تعداد ہوتی ہے۔ خواص میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی ایک جیب میں پاکستانی پاسپورٹ اور دوسری جیب میں امریکن گرین کارڈ یا دیگر ممالک کے اقامت نامے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے مال و متاع کا بیشتر حصہ بھی بیرونی بینکوں کی تجوریاں گرماتا ہے اور پاکستان میں صرف ایسے کرنٹ اکاؤنٹ کھولنے پر قناعت کرتے ہیں جن پر زکوٰۃ کٹنے کا خطرہ لاحق نہ ہو۔ اس کے علاوہ انکم ٹیکس، ویلتھ ٹیکس اور زکوٰۃ سے بچ کر غالباً منشیات کے کاروبار سے ہاتھ رنگ کر بھی کالے دھن کے انبار ایسی مہارت سے جمع کرتے ہیں کہ انجام کار حکومت ہی ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر دھوبی گھاٹ کھول دیتی ہے۔ ان کا اپنا کوئی وطن نہیں ہوتا ان کا اصل وطن محض ان کا اپنا نفس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو سرزمین بھی ان کی خودغرضی، خودپسندی، خودفروشی اور منافقت کو راس آئے وہ وہیں کے ہو کر رہتے ہیں۔ پاکستان میں اس طرح کے افراد کا ایک طبقہ موجود تو ضرور ہے لیکن خوش قسمتی سے ان کی تعداد محدود ہے۔

اس کے برعکس پاکستانیوں کا سوادِ اعظم حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی حب الوطنی پر بار بار انتہائی کڑی آزمائش کے دور آتے رہے ہیں، لیکن اب تک ان کے پائے ثبات میں کسی نمایاں لغزش کے آثار نمودار نہیں ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ البتہ ہمیں یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے کہ بار بار کفرانِ نعمت کا مرتکب ہونے سے اللہ کے عذاب کی گرفت بھی بڑی شدید ہوتی ہے۔ قوم کی قوتِ برداشت کا ضرورت سے زیادہ امتحان لیا جا چکا ہے اب اس کے پیمانہ صبر کو لبریز ہونے سے بچانا ہم سب کا اجتماعی اور انفرادی فرض ہے۔

یہ ڈھکی چھپی بات نہیں کہ پاکستان کی مسلح افواج کا شمار دنیا بھر کی اعلیٰ افواج میں ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہ مغربی دنیا کو پسند ہے اور نہ امریکہ کو۔ امریکہ کی نظر افغانستان عراق کے علاوہ بحیرہ عرب کی جانب بھی ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کو بھارت کی خوشنودی حاصل رکھنا بھی مرغوب خاطر ہے۔ ان مقاصد کے راستے میں جو چیز حائل ہے وہ پاکستان کی فوج ہے۔ امریکہ کی اصل اور بنیادی وفاداری اسرائیل کے ساتھ ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ اگر کسی وقت اسلامی سطح پر جہاد کا فتویٰ جاری ہو گیا تو پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں سے مسلح فوج اور نہتی آبادی کسی مزید حکم کا انتظار کیے بغیر جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر ایک دم بسوئے اسرائیل اٹھ کھڑی ہو گی۔ عالم اسلام میں اپنی تمام کامیاب ریشہ دوانیوں کے باوجود امریکہ یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ اس کے علاوہ مغربی دنیا کی مانند امریکہ بھی بھارت کی خیر سگالی اور خوشنودی حاصل کرنے اور بڑھانے کا آرزومند ہے۔

> **جو ممالک اسلامی بم پر قدغن لگانے میں پیش پیش ہیں ان سے بعید نہیں کہ وہ کسی وقت اسلامی اعمال کو بھی ممنوع قرار دے کر نادر شاہی حکم صادر فرما دیں ایسے عناصر کو پائے حقارت سے ٹھکرانے میں بھی ہماری خوداعتمادی اور عزت نفس کی بقا ہے**

پاکستان کی مسلح افواج برطانیہ، امریکہ اور بھارت کی آنکھ میں برابر کھٹکتی ہیں۔ اس کے لئے پاکستانی فوج کو نکما اور کمزور کرنا تینوں کا مشترکہ نصب العین ہے لیکن وہ اس نصب العین کو پورا کیسے کر سکتے ہیں؟ ہر کوئی اپنا اپنا طریق کار وضع کرنے میں آزاد ہے۔ بدی اور شر کو بروئے کار لانے کے لئے ہزاروں راستے کھل جاتے ہیں۔ تیسری دنیا کے چھوٹے ممالک میں ایک طریقہ جو نمایاں کامیابی سے آزمایا جا رہا ہے، یہ ہے کہ وہاں کی مسلح افواج کو طویل سے طویل تر عرصہ کے لئے سول حکومت کے امور میں الجھائے رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ملک آج تک 60 میں سے تقریباً 40 برس مارشل لاء کے تحت رہا ہے۔ خدا نہ کرے یہ صورت حال امریکہ اور اسرائیل کی دلی خواہش پورا کرنے کے لئے زمین ہموار کرنے کا کام دے۔

فوج کی عزت و وقار کی بحالی اور استحکام کی واحد راہ یہ ہے کہ مستقل طور پر اُسے سیاسی کردار سے الگ کر کے سرحدوں اور بیرکوں میں بھیج دیا جائے۔ ملک بھر میں بغیر کسی رکاوٹ کے سیاسی عمل ازسرنو جاری ہو۔ ہر پانچویں سال ہر سیاسی جماعت کے اپنے اپنے انتخاب لازمی ہوں تاکہ جماعتی سطح پر قیادت کی چھان پھٹک ہوتی رہے اور ان میں تازہ خون بھی باقاعدگی سے شامل ہوتا رہے۔ ہر پانچ سال میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخاب ہوتے رہیں تاکہ جمہوری نظام کامیاب ہو سکے۔

ہماری کچھ سیاسی پارٹیوں کے رہنما پیر تسمہ پا کی طرح اپنی اپنی جماعتوں کی گردن پر زبردستی چڑھے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے چند ایک نے بظلم کھلا یا در پردہ مارشل لاء کی آکسیجن سے سانس لے کر سسک سسک کر زندگی گزاری ہے۔ ان نیم جان سیاسی ڈھانچوں میں نہ تو کوئی تعمیری سکت باقی ہے اور نہ ہی ان کو عوام کا پورا اعتماد حاصل ہے۔ پرانی سیاست کی بساط الٹ چکی ہے۔ اب جب بھی سیاست کا دور دورہ ہو، تو اس میں فقط نئی قیادت ایسی ابھرنی چاہیے جس کا دامن ماضی کی بہت سی آلائشوں سے پاک ہو۔

سیاست کی خود کفالت اس کی پاکیزگی اور توانائی کی کلید ہے۔ جو سیاسی عناصر دوسرے ممالک کی بخشی ہوئی بیساکھیوں کا سہارا لینے پر انحصار کرتے ہیں وہ اپنی قوم کی آزادی اور نمائندگی کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ الٹا غلامی کا بیج بونے کے مجرم ہیں۔ کچھ عرصہ سے یہ رسم بھی چل نکلی ہے کہ کچھ صاحبانِ اقتدار سیاسی رہنما سپر پاور امریکہ سے اپنے حق میں سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔ اگر وفاق میں صوبائی اختیارات نیک نیتی دیانت داری، خلوص، باہمی افہام و تفہیم اور حقیقت شناسی سے متعین کر کے اس پر سچائی سے عمل درآمد نہ کیا جائے تو فیڈریشن کا وجود کھوکھلا ہو کر کنفیڈریشن کے نعرے میں ڈھل جاتا ہے۔ سیاست اور نظم و نسق میں اس زہر کا فوری طور پر حُسنِ تدبر سے کام لے کر تریاق فراہم نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ کنفیڈریشن کا تصور بھی انتشار کے صحرا میں پھیل کر بادِ سموم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس زہر کا تریاق سیاسی عمل کی آزادی سے ظہور میں آتا ہے، فوجی دباؤ کی گھٹن سے نہیں۔ ایٹمی توانائی کا حصول ہر آزاد ملک کا حق ہے۔ اس پر چند ممالک کی اجارہ داری ایک نئی شہنشاہیت اور سامراجیت کی بالادستی کے نظام کو جنم دیتی ہے۔ بجلی، ٹیلیفون کمپیوٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کی ایجادات فروغ علم کا نتیجہ ہیں۔ علم نہ دبائے دبتا ہے نہ چھپائے چھپتا ہے۔ ایٹمی توانائی کا علم بھی دوسرے علوم کی طرح رفتہ رفتہ عام ہو رہا ہے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے حصول اور استعمال کا

انحصار وسائل کی دستیابی پر ہے۔ وسائل کی کمیابی سے تاخیر تو ممکن ہے لیکن تدبیر کی کامیابی سے ہمیشہ کے لئے فرار ناممکن ہے۔ اس میں معذرت خواہی سے کام لینا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ برطانیہ، امریکہ، اسرائیل اور بھارت ہمارے ایٹمی مراکز کو تباہ کرنے میں یکساں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن ہمارا اصل دفاع یہی ہے کہ ہم نیوکلیئر اسلحہ جات سے پوری طرح لیس ہوں۔ اسلامی بم کے طعنوں اور دھمکیوں میں آ کر گھٹنے ٹیک دینا ایک مجرمانہ لغزش ہوگی۔ جو ممالک اسلامی بم پر قدغن لگانے میں پیش پیش ہیں ان سے بعید نہیں کہ وہ کسی وقت اسلامی اعمال کو بھی ممنوع قرار دے کر نادر شاہی حکم صادر فرما دیں۔ ایسے عناصر کو پائے حقارت سے ٹھکرانے میں بھی ہماری خود اعتمادی اور عزت نفس کی بقا ہے۔

دنیا بھر میں جنگ کی بنیاد انفرادی یا محدود قبائلی سطح پر، زن اور زمین کی حرص میں شروع ہوئی ہے پھر اس نے سامراجیت کا رنگ چڑھا کر زبردست کی حکمرانی اور زیردست کی غلامی کا وطیرہ اختیار کر لیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ملک گیری کی ہوس ہے۔ اگلی منزل میں سیاسی نظام معاشی نظریات اور سماجی اقتدار میں اختلافات اور تصادم نے بڑے پیمانے پر عالمگیر جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اب رفتہ رفتہ ہوا کا رخ مزید بدل رہا ہے۔ حالیہ آثار گواہی دیتے ہیں کہ جلد یا بدیر سب سے بڑی اور ممکن ہے کہ آخری جنگ دین کے اساس پر دو تہذیبوں اور تمدنوں کے درمیان لڑی جائے، دنیائے اسلام ایک طرف اور باقی تمام غیر مسلم عناصر باہم مل جل کر دوسری جانب۔ اس امکان کو فراموش کرنے یا اس سے نبرد آزما ہونے کی تیاری میں غفلت سے کام لینے میں عالم اسلام کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً سب سے بڑا اور مہلک خطرہ ہے۔

اسرائیل کے خلاف ہماری پالیسی عربوں کی خیرسگالی حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام اور فقط اسلام کے ناطے سے ہے۔ یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے اس پالیسی میں کسی قسم کی لچک یا کمزوری کو جگہ دینا لاریب اسلام کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ ایسی حرکت بے برکتی کی آندھیوں کو دعوت دے کر وطن عزیز کے وجود کو طرح طرح کے خطرات میں مبتلا کر سکتی ہے۔ یہ محض سیاسی حماقت ہی نہیں بلکہ دینی جرم بھی ہے۔

بھارت کے عزائم اور ان کے ظاہر اور باطن کی تمیز کو چشم بصیرت، حسن تدبیر اور شیوۂ دیوانگی سے پرکھنا ہمارا اولین فرض ہے۔ اگر یہ تمیز مصلحتوں یا غفلتوں کی نذر ہوگئی تو بربادی، تباہی اور فنا کا اندھا کنواں منہ پھاڑے سامنے کھڑا ہے۔

افغانستان اور عراق پر امریکہ کا تسلط اسلام پر کھلا حملہ ہے۔ مشرق اور مغرب کے نام نہاد سیکولر اور آزادی پرست اقوام کے دل میں اسلام کے خلاف ہمدردی نہیں بلکہ بغض اور کینہ ہے۔ رفتہ رفتہ امریکہ کی افواج واپس چلی جائیں گی لیکن امریکی اثرات کے جراثیم آسانی سے جانے والے نہیں ہیں۔ وقت کے ساتھ یہ جراثیم جڑ پکڑتے رہیں گے۔ اگر سنٹرل ایشیا کے پسے ہوئے خوابیدہ مسلمان بیدار نہ ہوئے تو ممکن ہے کہ یہ ملک بھی انہی کے ہمرنگ ہو جائیں۔ پاکستان میں اسلام کے فروغ کا نصب العین فقط ہمارے مفاد ہی میں نہیں بلکہ افغانستان عراق اور سنٹرل ایشیا کے لیے بھی کام آ سکتا ہے۔ لیکن Islamization کے پردے میں Cosmetic Islam کا ڈھونگ رچانا منافقت کی دھول اڑانے کے علاوہ کوئی مقصد پورا نہیں کر سکتا۔ ہمیں اسلام کے بنیادی اور حقیقی اصل اصول Fundamentalism کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر امور ریاست میں اسلام کے نام پر سب کچھ کار بے بنیاد ہے۔

ہمیں حب الوطنی کا جذبہ نہیں بلکہ جنون درکار ہے۔ جذبہ تو محض ایک حنوط شدہ لاش کی مانند دل کے تابوت میں منجمد رہ سکتا ہے۔ جنون جوش جہاد اور شوق شہادت سے خون گرماتا ہے۔ اسی میں پاکستان کی سلامتی اور مستقبل کا راز پوشیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیرونی دنیا میں لوگ امریکہ سے صرف اس لیے نفرت نہیں کرتے کہ امریکی حکومتیں غیر ملکی ڈکٹیٹروں کی حمایت کرتی ہیں بلکہ نفرت کی وجہ یہ ہے کہ امریکی قوم سمجھتی ہیں کہ دنیا میں تمام انسانوں پر ہماری حکمرانی ہے۔ یہ تصور امریکہ کی سرحدوں کے اندر مقید ہو کے نہیں رہ سکتا۔ کوئی قوم چاہے کتنی بڑی ہو جائے یہ تصور اس سے بھی بڑا ہے۔ امریکہ کے لئے اس وقت بھی سب سے بڑا چیلنج ہے کہ اسے دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ کیا وہ سپر پاور کی حیثیت سے اپنا تشخص منوانا چاہتا ہے یا اپنی اقدار (جو کائناتی سچائیاں ہیں) کو مقبول بنانا چاہتا ہے؟ اگر وہ پہلی چیز کا انتخاب کرتا ہے تو اس سے دنیا میں دیگر اقوام کے جذبات گرم ہوں گے لیکن اگر وہ دوسرے آپشن کا انتخاب کرتا ہے تو پھر اس ایک فراموش کردہ حقیقت مل جائے گی کہ یہ دنیا اس کے اتحادیوں سے بھری پڑی ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی پشاور کے مبتدی رفیق قاری فیض الرحمٰن کے سسر بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقائے تنظیم اسلامی، قارئین اور احباب سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ: دین و دانش

زندگی گزار رہا ہے۔ اُمت کا شاہین (بچہ) جس کے ہاتھ میں قرآن و حدیث اور قلم ہونا چاہیے تھا آج اس کے ہاتھ میں فحش میگزین، ویڈیو گیمز اور بے حیا فلموں کی سی ڈیز ہوتی ہیں۔ پختہ عمر افراد جن کا کام نئی نسل کو راہِ راست پر لانا اور چلانا تھا، وہ آج لچر اور فحش محافل کا اہتمام کرتے نظر آ رہے ہیں اور اپنی اصل ذمہ داریوں سے بالکلیہ غافل ہیں۔

ہماری سیاست خدا بے زار اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ غیر اللہ کی حکمرانی ہے۔ ہماری معیشت سود اور جوئے پر مبنی ہے۔ حالانکہ سود کی شناعت کا عالم یہ ہے کہ ایک حدیث نبویؐ کے مطابق یہ اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرنے جیسے گھناؤنے فعل کے مترادف ہے۔ ہماری معاشرت تباہ ہو رہی ہے۔ اسلامی اور مشرقی اقدار کا جنازہ نکالا جا رہا ہے۔

طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ ہمیں احساس ہی نہیں ہے کہ ہم نے راہِ راست سے ہٹ کر غلط رخ اختیار کر لیا ہے، ہم نے اپنی منزل کا تعین ہی غلط کیا ہے اور اسی رخ پر بگٹٹ چلے جا رہے ہیں۔ جیسے اقبال نے کہا تھا:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

احساسِ زیاں کا نہ ہونا بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ وہ غلط رخ پر جا رہا ہے تو وہ پلٹے گا کیسے! اس کی پلٹنے اور راہِ راست پر آنے کی امید معدوم ہو جاتی ہے۔ وہ جتنا آگے جائے گا اپنی حقیقی منزل سے دور ہوتا جائے گا اور بالآخر کانٹوں بھری کھائی میں گر جائے گا۔ آج ہم نے اسی مجرمانہ زندگی اور غفلت کو بزعم خویش "صراطِ مستقیم" سمجھ لیا ہے اور بہت تیزی سے اس پر چل رہے ہیں۔ جو شخص خدا ترس ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہے، صراطِ مستقیم اور اصل منزل کی طرف متوجہ کرتا ہے، آج اسے دقیانوسیت کی "گالی" دی جاتی ہے کہ (نعوذ باللہ) یہ ہمیں بے فائدہ کاموں کی طرف بلاتا ہے۔ ایسا شخص اس ماحول میں اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن یاد رکھئے، ایسے ہی اجنبیوں کے لئے خوشخبری ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

"اسلام کی جب ابتدا ہوئی تھی تو اسلام اجنبی تھا اور پھر ویسے ہی اجنبی ہو جائے گا جیسے ابتدا میں تھا"۔ (صحیح مسلم)

اِس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری موجودہ زبوں حالی کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی احکاماتِ الٰہی سے اعراض ہے۔ ہماری عظمتِ رفتہ کی بحالی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ذکر الٰہی سے سرشار ہوں، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لائیں اور منکرات سے پرہیز کریں۔ تب ہمارے لیے زمین بھی اپنے خزانے اگل دے گی اور آسمان سے بھی اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی۔

سرخ گلاب اور سرخ لہو

مظہر صدیقی

کیا تم یوم محبت منا رہے ہو......؟

جی ہاں!!!

یہ آوازیں سن رہے ہو؟

کون سی......کیسی آوازیں، مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔

مزید غور سے سنو، شاید تمہیں کچھ سنائی دے۔

میں نے کہا نا کہ اس خوشی و مسرت کے موقع پر مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔

تم اپنی سماعتوں کی کھڑکیاں اور دروازے کھولو، شاید تمہیں بھوک سے بلبلاتے اور ادویات کو ترستے بیمار اور لاغر عراقی بچوں اور بوڑھوں کی دہائیاں سنائی دیں۔ شاید تمہیں تڑپتے، چیختے، چلاتے اور ہاتھوں میں پتھر اُٹھائے اسرائیلی فوجیوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے فلسطینیوں کی فریادیں سنائی دیں۔ شاید تمہیں امریکی واتحادی گولیوں، بموں اور میزائلوں کا نشانہ بننے والے آہن حوصلوں کے مالک اور غیور افغانیوں کی عورتوں اور بچوں کی آہیں اور سسکیاں سنائی دیں۔ شاید تمہیں بھارتی فوجیوں کے ظلم و ستم اور جبر وتشدد کا نشانہ بننے والے کشمیریوں کی آنکھوں میں سُرخ آنسو نظر آئیں یا شاید، شاید، شاید تمہیں پاکستان کے وزیرستان، سوات اور دیگر قبائلی علاقہ جات میں جاری فوجی آپریشن کا نشانہ بننے اور بے گھر ہونے والے خوف وہراس میں مبتلا، کرفیو زدہ اور بنیادی ضروریات سے محروم، سردی سے ٹھٹھرتے معصوم بچوں، خواتین اور بوڑھوں کے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل، آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور رکتی ہوئی سانسیں اپنی طرف متوجہ کریں مگر...... ہرگز، ہرگز نہیں، تم تو یوم محبت منا رہے ہو۔ تمہیں یہ چیختے، چلاتے، بلبلاتے اور سکھ وچین کو ترستے لوگوں کی آہیں، سسکیاں، فریادیں اور اکھڑتی ہوئی سانسیں کہاں اپنی طرف متوجہ کر سکیں گی۔ یاد رکھو اے مسلمان دوست! جن مہذب لوگوں کے طور طریقے، تہوار و رسومات ہم اپنا رہے ہیں، وہی قومیں ہمارے مزاج، ہماری بقا، ہماری سلامتی، ہمارے دین و مذہب اور ہمارے قومی تشخص کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس کے عزائم خطرناک ہیں۔ وہ ہمارے ایمان، اعتقاد، رسومات اور ہماری سرزمینوں کے دشمن بن کر ہمارے حصے بخرے کر کے ہمیں دوشانوں چت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں ہمارے وسائل، ہماری معدنیات اور ہماری ایٹمی توانائی کی حرص نے اندھا کر دیا ہے۔ وہ مکمل تیاری اور پوری شدت کے ساتھ ان پر قبضے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں۔ وہ ہمیں اپنا غلام بنانا اور خود آقا بننا چاہتے ہیں۔ اپنی تہذیب، اپنے نظریات اور اپنے مفادات کی زنجیر میں جکڑنے کی منہ زور خواہش کی تکمیل میں محو نظر آتے ہیں۔ خدا کے لئے اے دوست! اپنی بقا، اپنی سلامتی اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے جاگو مگر تمہیں کیا......تم تو یوم محبت منا رہے ہو، سرخ رنگ میں کھوئے ہوئے ہو۔

اسے اتفاق سمجھئے کہ ہماری قوم الیکشن ڈے منانے میں غوطہ زن ہے کہ ایسے میں یوم محبت سر پہ آن کھڑا ہوا۔ سوچنے، غور کرنے اور سمجھنے والے اگر وقت نکال کر کچھ دیر کے لئے اپنے شہر کی گفٹ شاپس کا وزٹ کرتے۔ پھول فروشوں کے ٹھیلوں اور کارنرز کو دیکھ آتے، انہیں حیرت ہوتی کہ قوم کس طرح سرخ رنگ کی دیوانی ہو رہی ہے، اسے سرخ گلاب اور سرخ لہو میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا۔ وہ دیکھتے کہ صرف ایک دن کے لئے ملک کے چاروں طرف محبت ہی محبت پھلتی پھولتی نظر آتی ہے۔

اس مرتبہ 14 فروری ایسے حالات میں آیا کہ پاکستان کے عوام بالخصوص اور دیگر مسلم ممالک کے عوام بالعموم ڈرے اور سہمے نظر آ رہے ہیں۔ ہمارے ملک کا ہر گوشہ توانائی کی قلت کی وجہ سے تاریکی میں ڈوبا نظر آ رہا ہے۔ کارخانے بند ہیں۔ مہنگائی کا جن آدم زاد کو ہڑپ کرنے میں محو ہے۔ بنیادی اشیاء آٹا، چاول، دالیں، سبزیاں اور گھی کے نرخ آسمانوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ آئے روز خودکشیاں ہو رہی ہیں۔ لوگ بھوکے پیٹ سونے پر مجبور ہیں۔ امن وعامہ کی صورت حال ابتر ہے۔ فحاشی، بے حیائی اور عریانی اپنے عروج پر ہے۔ پاکستانی سفیر اغوا، سیاسی قائدین قتل اور اسلام و پاکستان سے محبت کے 'جرم' میں محب وطن لاپتہ ہو رہے ہیں۔ پہلے پیپلز پارٹی کی قائد اور اب عوامی نیشنل پارٹی کے قائدین جلسہ گاہوں میں بموں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ سیاسی قائدوں اور اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر خودکش حملوں کا بازار گرم ہے۔ سب پریشان ہیں مگر پھر بھی نہ جانے کیوں امراء، رؤسا اور کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ یوم محبت منا رہے ہیں۔

ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ انسان کو آزادی حاصل ہے اور یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے کہ وہ کس طرح سے اپنی زندگی کو انجوائے کرے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ میرے یہی دوست مزید کہتے ہیں کہ ہم 14 فروری کو یوم محبت کے طور پر اپنے دوستوں، بہن بھائیوں، والدین اور شریک حیات کو وش (wish) کرتے اور تحائف دیتے ہیں اور اس دن کو تجدید محبت کے طور پہ مناتے ہیں۔ میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ پلیز مجھے بتائیں کس قدر لوگ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو وش کرتے ہیں اور کتنے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس روز کی برائیوں سے مستفید ہوتے ہوئے گناہوں کے دلدل میں دھنس جاتے اور کبھی بھی اس نجاست سے نہیں نکل پاتے۔

ہاں اگر تم یوم محبت منانا ہی چاہتے ہو تو پھر ایسی جگہ کا انتخاب کرو جس کے چاروں طرف امن ہی امن ہو، انصاف کا بول بالا اور عدل کا نظام ہو، عدلیہ ومیڈیا آزاد ہو، خودکش حملے نہ ہوتے ہوں، سب کے بچوں کو بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ یکساں تعلیم کے مواقع میسر ہوں۔ جہاں غربت، جہالت، بے روزگاری اور مہنگائی کا بسیرا نہ ہو، جہاں اضطراب، بے چینی، بے یقینی اور لوٹ مارنے ڈیرے نہ ڈالے ہوں، جہاں کے حکمران عوامی خدمت کے جذبوں سے سرشار ہوں، جہاں کے عوام رضائے الٰہی کے حصول والے اعمال سرانجام دینے میں محو رہتے ہوں اور خاص وعام کو حقیقی خوشیاں حاصل ہوں۔ میں یقین سے تمہیں کہتا ہوں کہ پھر تمہیں سال میں صرف ایک دن کے لئے یوم محبت کے جھنڈے بلند نہیں کرنے پڑیں گے بلکہ تمہارے تمام دن اور تمام راتیں محبت وخوشی میں بسر ہوں گی (ان شاء اللہ) خدا کے لئے اب بس کرو، خالی خولی اور کاغذی محبتوں سے دل تو بہل جائے گا مگر حقیقی خوشی حاصل نہ ہو سکے گی۔ (شائع شدہ نوائے وقت)

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ واہ کینٹ

2 فروری 2008ء صبح گیارہ بجے امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید صاحب واہ کینٹ تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی، اور ناظم حلقہ شمالی پنجاب جناب خالد عباسی بھی موجود تھے۔ اس موقع پر تنظیم اسلامی واہ کینٹ، حسن ابدال اور ٹیکسلا کے جملہ رفقاء موجود تھے۔ آپ کے دورہ کا مقصد رفقاء سے غیر رسمی، عمومی ملاقات اور ان سے آراء و مشورے طلب کر کے انہیں اپنے خیالات اور اشکالات کے اظہار کا موقع فراہم کرنا تھا۔ یہ نشست مسجد عائشہ صدیقہ میں منعقد ہوئی۔

پروگرام سے چند روز قبل مقامی امیر سلیم صدیقی نے رفقاء سے باہمی مشاورت کے بعد یہ ہدایت کی تھی کہ اس پروگرام میں تمام رفقاء بالخصوص وہ رفقاء جو تنظیم اسلامی کی فکر سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود غیر فعال ہو چکے ہیں، شرکت کریں، کیونکہ اس طرح وہ اپنے اشکالات کا با آسانی اظہار کر سکیں گے، مزید براں ایسے احباب جو حلقہ قرآنی میں شرکت کرتے ہوئے تنظیمی فکر سے آگاہی حاصل کر چکے ہوں، وہ بھی شریک ہوں۔ انہیں بھی اظہار خیال کا موقع دیا جائے گا۔

طے شدہ ترتیب کے مطابق پروگرام شروع ہوا۔ سب سے پہلے تعارفی نشست ہوئی، جس کے بعد امیر محترم نے رفقاء و احباب کو اظہار خیال کا موقع فراہم کیا اور ان کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیئے۔ سوال و جواب کی نشست کے بعد رفیق تنظیم محمد انور کی جانب سے شرکاء کو کھانا کھلایا گیا۔ بعد ازاں نماز ظہر کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: طارق نعیم)

مرکزی و حلقہ گوجرانوالہ کے ناظمین تربیت کا دورۂ سیالکوٹ

13 جنوری 2008ء صبح گیارہ بجے مرکزی نائب ناظم دعوت محترم اشرف وصی امیر حلقہ گوجرانوالہ اور مقامی ناظمین تربیت کے ہمراہ تنظیم اسلامی سیالکوٹ شمالی کے دفتر پہنچے۔ جہاں ذمہ داران تناظیم اسلامی سیالکوٹ شمالی و جنوبی کے ساتھ ایک میٹنگ طے تھی۔ نائب ناظم دعوت نے دعوتی تحریک ''ایک رفیق چار احباب'' کے سلسلے میں بات چیت کی جس میں مقصد اور طریقہ کار کی وضاحت کی گئی۔ حلقہ گوجرانوالہ کے ناظم تربیت جناب خادم حسین اور سیالکوٹ تناظیم کے ناظم تربیت جناب فیصل وحید نے اپنی اپنی رپورٹس پیش کیں۔ امراء اور نقباء نے بھی تحریک دعوت کے حوالے سے اپنے اپنے اسرہ کی کارکردگی سے ٹیم کو آگاہ کیا۔ وصی صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ کم از کم ہر اسرہ کی سطح پر حلقہ جات قرآنی قائم کیے جائیں۔ نماز ظہر کے بعد تنظیم اسلامی سیالکوٹ جنوبی کے امیر جناب عبدالقدیر بٹ کے گھر پر تمام شرکاء کو کھانا کھلایا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

دوسری نشست کا آغاز نماز مغرب کے بعد قائد گرلز کالج میں ہوا۔ اس نشست میں دونوں تناظیم کے رفقاء اور احباب کی ایک کثیر تعداد شریک ہوئی۔ نشست کا باقاعدہ آغاز جناب عثمان منظور کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد اشرف وصی صاحب نے دعوتی تحریک کا مقصد اور اہمیت کے موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں مذاکرہ کروایا۔ بعد ازاں مرکزی ناظم دعوت رحمت اللہ بٹر نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ہمیں اپنی سوچ میں تبدیلی لانا ہوگی، کیونکہ سوچ کے بدلنے سے ہی انسان میں تبدیلی آتی ہے۔ انہوں نے حدیث رسولؐ کے حوالے سے کہا کہ جو انسان دنیا کو اپنا ہدف بنا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ فقیری رکھ دیتے ہیں۔ اس کی صبح بھی فقیری کی حالت میں ہوتی ہے اور شام بھی۔ اللہ اس کے کاموں کو بکھیر دیتے ہیں اور اسے وہی ملتا ہے جو اس کی آزمائش کے لئے اللہ نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص آخرت کو چنتا ہے، اللہ اس کے دل میں غناء پیدا فرما دیتے ہیں، اس کے کاموں کو سمیٹ دیتے ہیں، اور جو اس کی آزمائش کے لئے اللہ نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہوتا ہے، وہ ذلیل ہو کر اس کے پاس پہنچتا ہے۔ ایک اور حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ سب سے بڑا سخی رب کائنات ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ اور اس کے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جو دین کی دعوت دے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور حدیث مبارکہ بیان فرمائی جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ آدمی دین کا علم سیکھے اور اپنے بھائی کو اس کی دعوت دے۔''

رات آٹھ بجے آپ کا درس ختم ہوا، اور اس کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔ نماز کے بعد یہ مجلس اپنے اختتام کو پہنچی۔ (رپورٹ: اعجاز عنصر)

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام شب بیداری

26 جنوری 2008ء کو تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام شب بیداری کا انعقاد کیا گیا۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز بعد از نماز مغرب جناب عثمان منظور کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد جناب اکرام الحق نے متاع الغرور کی وضاحت کی۔ حافظ محمد افضل (حلقہ گوجرانوالہ) نے درس قرآن دیا۔ بعد نماز عشاء جناب جنید نذیر نے ''قرآن سے دوری کے اسباب'' بیان کیے۔ انہوں نے کہا کہ آباؤ اجداد، سرداروں، پیروں کی اندھی تقلید، غرور اور تکبر، خواہش نفس اور گمان کی پیروی، آسان پہلوؤں کی تلاش، شفاعت باطلہ کا تصور، اپنے علم کا زعم، یہ وہ بڑی بڑی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے آج ہم قرآن سے دور ہو چکے ہیں۔

عدنان احمد مغل نے ''حقیقی مسلمان کون؟'' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی حدیث کا مفہوم بیان کیا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا سب سے بڑا عابد ہے، قسمت پر راضی رہنے والا غنی، ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا حقیقی مومن اور دوسروں کے لئے اپنے جیسا پسند کرنے والا حقیقی مسلم ہوتا ہے۔ اس کے بعد رفقاء و احباب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد جناب ظفر اقبال نے جو تنظیم میں حال ہی میں شامل ہوئے ہیں، اپنے تاثرات بیان کیے۔ مقامی ناظم دعوت جناب فیصل وحید شیخ نے ''دعوت کیا، کیوں اور کیسے'' کی تذکیر کی۔ بعد ازاں جناب عبدالقدیر بٹ نے مذاکرہ کروایا، موضوع تھا: ''اتباع رسول ﷺ''۔ مسنون دعا پر اس محفل کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: اعجاز عنصر)

تنظیم اسلامی ہارون آباد کا ماہانہ اجتماع

یہ پروگرام 3 فروری 2008ء صبح دس بجے بمقام جامع القرآن قرآن اکیڈمی ہارون آباد میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، تلاوت کی سعادت آصف لطیف نے حاصل کی۔ پروگرام کی اہمیت کے حوالے سے گفتگو محمد رضوان عزمی نے کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہ پروگرام ہماری تربیت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ درس قرآن کی ذمہ داری جناب سجاد سرور نے نبھائی۔ سورۃ الرعد کے نویں رکوع کی روشنی میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ حق و باطل کے دو گروہ ہمیشہ سے رہے ہیں۔ انہوں نے اہل حق کی صفات بیان کیں اور اسی طرح اہل باطل کے ہتھکنڈے بھی واضح کیے۔ حق پر قائم رہنے والوں کے لئے جنت کے باغات کی خوشخبری ہے اور اہل باطل اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ان کی گفتگو پینتالیس منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد بزرگ رفیق جناب حاجی محمد شفیع نے وقت کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ بیس منٹ کے چائے کے وقفے کے بعد جب دوبارہ پروگرام شروع ہوا، تو سلطان افضل نے درس حدیث دیا۔ درس کے بعد مرکزی ناظم بیت المال کی طرف سے موصول ہونے والا خط پڑھ کر سنایا گیا اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب دلائی گئی۔ نئے شامل ہونے والے رفقاء کا تعارف حاصل کیا گیا۔ نظام اُسرہ کے حوالے سے گفتگو رضوان عزمی نے کی۔ آخر میں امیر حلقہ منیر احمد نے مقامی تنظیم کے بارے میں گفتگو کی اور دُعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی و جدوجہد کو قبول فرمائے۔ آمین۔ 45 رفقاء نے اور 3 احباب نے پروگرام میں شرکت کی۔ پونے بارہ بجے یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ (مرتب: خالد جاوید)

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کی جانب سے احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی نے ملک کے قبائلی علاقوں اور دیگر مقامات پر فوجی آپریشنوں کے خلاف 8 فروری 2008ء کو احتجاجی مظاہروں کا پروگرام بنایا۔ طے کیا گیا کہ یہ مظاہرے کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں منعقد کیے جائیں۔ کراچی میں یہ مظاہرہ 08 فروری کو سہ پہر ساڑھے تین بجے حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ اس مظاہرے کے سلسلے میں امیر تنظیم اسلامی گلستان جوہر جناب عارف جمال فیاضی نے رفقاء کو SMS کے ذریعہ مطلع کیا۔ مظاہرے کے سلسلے میں 28 بینرز اور 4000 ہینڈ بلز طبع کروائے گئے تھے۔ رفقاء کو کیے گئے SMS کے نتیجے میں ان کی مظاہرہ میں اُن کی ریکارڈ حاضری نوٹ کی گئی۔ دو سو سے زائد رفقاء مظاہرے میں شریک تھے۔

حسب معمول رفقاء بینرز کے ساتھ دو رویہ کھڑے ہو گئے۔ مظاہرہ کے آغاز میں امیر حلقہ نے وہ ہدایات پڑھ کر رفقاء کو سنائیں جن کی پیروی انہیں دوران مظاہرہ کرنی ہے۔ یہ ہدایات تحریری شکل میں فراہم کر دی گئیں۔ تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جناب شجاع الدین شیخ نے حدیث مبارکہ "دین خیر خواہی کا نام ہے" کے حوالے سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ نہ صرف اسے خالق و مالک مانا جائے بلکہ حاکم مطلق بھی تسلیم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات زندگی کے ہر گوشے میں جاری کیے جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ سے خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کی حیات مبارکہ کو اپنے لیے اسوہ بنایا جائے۔ مسلمانوں کے حکمرانوں سے خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ان کے فرائض سے آگاہ کیا جائے، جنہیں نماز و زکوٰۃ کے نظام کے قیام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کا ازروئے قرآن پابند کیا گیا ہے۔ اور عوام سے خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اللہ کے حضور خلوص و اخلاص کے ساتھ توبہ کی ترغیب دی جائے۔ انہوں نے کہا اگر چہ ہم نے دستور میں یہ شق شامل کر رکھی ہے کہ کتاب و سنت سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی لیکن ہمارے ملک میں سود، جوئے، سٹے سمیت ہر قسم کے خلاف شریعت اعمال جاری ہیں۔ ہم کہتے تو ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے لیکن اپنے اقتدار کے لیے ہم امریکہ کو اپنا ملجیٰ و ماویٰ سمجھتے ہیں اور اس کے اشارے پر ہم اپنے ہی شہریوں کے خلاف محو جنگ ہیں۔ ہم اس موقع پر حکمرانوں کو اس حدیث مبارکہ کی جانب متوجہ کرنا چاہتے ہیں جس کے مطابق ہم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ بروز قیامت حکمرانوں سے بھی ان کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا تھا یا ظلم کا۔ آج قبائلی علاقوں سے لے کر بلوچستان تک ظلم کا جو بازار ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کو خوش کرنے کے لیے گرم کیا ہوا ہے، یقیناً اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

جناب انجینئر نوید احمد نے حال ہی میں علماء کرام کی جانب سے حکمرانوں کو پیش کردہ تجاویز کے حوالے سے کہا کہ ان کی یہ بات درست ہے کہ ملک میں جاری خودکش حملے لال مسجد کی انتظامیہ کے خلاف کیے گئے آپریشن کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے ہزاروں معصوم طلبہ و طالبات کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ علماء کرام نے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے ہم اس کی تائید کرتے ہیں۔ صدر مملکت نے فرد واحد کی حیثیت سے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف اتحاد میں شرکت کا فیصلہ کیا تھا جس کے نتیجے میں آج پورا ملک لہولہان ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ وہ فوری طور پر اقتدار سے الگ ہو جائیں۔ لیکن یہ صرف مسئلہ کا وقتی حل ہے۔ البتہ اس کا اصل حل اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام میں ہے۔

اس کے بعد جناب حامد خان اور طارق امیر پیرزادہ نے خطاب کیا۔ جناب نوید احمد کی دعا پر مظاہرہ کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر امیر حلقہ جناب محمد نسیم الدین کی جانب سے جاری کی گئی جس میں حکمرانوں سے اپنے ہی عوام کے خلاف فوج کشی کا سلسلہ ترک کرتے نام نہاد دہشت گرد، کے خلاف عالمی اتحاد سے علیحدگی اور نفاذ اسلام کا مطالبہ کیا گیا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

بقیہ: اداریہ

مذاکرات کا راستہ اختیار کرے۔ عوام کے مسائل کے حل کے لئے سنجیدہ اقدامات کرے۔ خارجی سطح پر ضروری ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ سے علیحدگی اختیار کرے جس نے ہمیں دیا کچھ نہیں، ہمارا سب کچھ ہم سے چھین لیا ہے۔۔۔۔۔۔اور سب سے بڑھ کر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے خوشنما اور پر فریب نعرے کے تحت ملک پر جو سیکولر جبریت (Secular Determinism) مسلط کرنے کی کوشش کی گئی، اُسے روکے۔ کہتے ہیں تاریخ بے رحم محاسب ہے۔ اگر نئی حکومت نے موجودہ پالیسیوں کو جاری رکھا تو جو کچھ آج ق لیگ اور اُس کے بزرجمہروں کے ساتھ ہوا ہے، کل کلاں اِن کے ساتھ بھی ہوگا۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ پاکستان صرف آزادی کا نام نہیں، بلکہ ایک نظریے کا نام ہے، جو ہمیں بیش قیمت انعام اور خزانے کے طور پر ملا ہے۔ اور وہ نظریہ اسلامی نظریہ ہے۔ اِسی نظریے کے تحفظ کی خاطر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ اپنی قومی تاریخ کے ساٹھ سالوں میں ہم اِس نظریے سے قوم کو محروم کرتے چلے آئے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم پورے خلوص اور سچے جذبے کے ساتھ اسلام کے نظام عدل کو ملک میں نافذ کریں۔ پاکستان کے آئین، تعلیم، عدلیہ، معیشت اور جملہ شعبوں میں اسلامی نظام زندگی اور اُس کے اصولوں کو بالادستی عطا کریں، تاکہ پاکستان عہد حاضر کی ایک عظیم اسلامی ریاست کے طور پر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہو اور اہل عالم کے لئے ایک روشن اور قابل تقلید مثال بن سکے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا یہی وژن دیا تھا۔ ایک موقع پر انہوں نے کہا: "پاکستان ایک ایسی ریاست ہوگی جہاں مسلمانوں کو یہ موقع ملے گا کہ وہ اپنے کلچر کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ وہ ایک ایسی تجرباتی آزاد اسلامی ریاست قائم کر سکیں جس کی پیروی مراکش سے انڈونیشیا تک مسلمان کر سکیں گے۔ آخر کار (پاکستان کی شکل میں) مدینہ منورہ کی پہلی فلاحی ریاست کی بنیاد پر ایک ایسی نظریاتی قوت اُبھرے گی جو سود خور سرمایہ دارانہ نظام اور جابرانہ کمیونزم کے درمیانی خلا کو پُر کر سکے گی۔" اِس کے بعد انہوں نے کہا: "ہمارے زوال کی اصل وجہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور اپنی وراثت اور نظریات پر اعتماد سے محرومی ہے۔"

انتخابات میں دینی جماعتوں کو جس شکست کا سامنا کرنا پڑا، اُس کے تناظر میں ہم دینی جماعتوں کے اکابرین سے دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ خدارا! نفاذ اسلام کے لئے اپنے طریق کار پر نظر ثانی کیجئے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ساٹھ سال گزرنے کے باوجود وہ اسمبلی میں اکثریت حاصل نہ کر سکے کہ اسلام نافذ کر دیتے۔ ہمارا اِس امر پر پختہ یقین ہے کہ انتخابات کے راستے سے ملک میں اسلامی نظام کبھی نافذ نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں کبھی بھی انتخابات کے ذریعے انقلاب نہیں آیا، یہاں تک کہ خود جمہوریت بھی انقلاب فرانس کے ذریعے دنیا میں متعارف ہوئی۔ مولانا طیب صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جمہوریت کے راستے نفاذ اسلام کی کوشش کرنا ایسے ہی ہے جیسے کیکر کے درخت پر انگور اگانا۔ قومی سیاسی تاریخ اور موجودہ ہوش ربا نتائج کے بعد دینی جماعتوں کو اِس نکتے پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ انتخابی جدوجہد نے انہیں کیا دیا۔ نفاذ اسلام کا مشن تو ایک طرف رہا۔ اِس راستے سے خود دینی طبقوں میں انتشار پیدا ہوا یعنی ؏ اِس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی۔ وقت کی پکار ہے کہ دینی جماعتیں انتخابی جدوجہد کے میدان سے کنارہ کش ہو کر انقلابی طریق پر منظم اور مربوط جدوجہد کا آغاز کریں، وہ طریقہ جو پیغمبر انقلاب ﷺ کا ہے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی　　دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا